سیرت نگاری میں صحت و اِستناد کے جدید مباحث

ڈاکٹر حافظ مبشر حسین☆

ABSTRACT

The classical *Sirah* literature is an amalgam of both authentic and inauthentic reports, as described by *Hadith* scholars. The logic behind compilation of these narratives was to avoid the loss of any minor information if available about the life of Holy Prophet ﷺ. Despite its significance this approach also has some disadvantages. Inauthentic reports have been a constant source to defame and criticize Islam and the personality of the last Prophet ﷺ.

This aspect of *Sirah* writing has generated a new debate about classical sources and their critical evaluation was considered indispensable by Muslim scholars. This produced a good deal of literature about old collections of traditions and narratives. In this article the author has made an attempt to analyze and evaluate some of these works.

اس بات سے مجال انکار نہیں کہ سیرت کے مآخذ و مصادر میں صحیح و مستند روایات کے پہلو بہ پہلو کمزور روایات کا بھی خاصا انبار موجود ہے اس لیے کہ متقدمین نے جب حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت پر لکھنا شروع کیا تو انہیں اس سلسلہ میں جو کچھ رطب و یابس ملا وہ اسے جمع کرتے چلے گئے۔ تاہم محدثین نے سیرت سے متعلقہ مواد کو اپنے کڑے معیار سے گزارنے کے بعد ہی قبول کیا لیکن اس سے سیرت رسولؐ کا تفصیلی مطالعہ کرنے والوں کے لیے تشنگی کا احساس پیدا ہوتا تھا، اس لیے کہ محدثین روایات کے اخذ و انتخاب میں

☆ لیکچرار/ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اَحکامی و غیر احکامی کے فرق کوملحوظ رکھتے اور احکامی روایات کو فوقیت دیتے ہوئے ان کی قبولیت کے لیے قبولیت روایت کا معیار ہمیشہ سخت رکھتے تھے جبکہ سیرت کا ایک خاصا حصہ ایسا ہے جو احکام کی قبیل سے نہیں ہے اور ظاہر ہے اس کے لیے کمزورمعیار بھی گوارا ہو سکتا ہے(جیسا کہ خود بعض محدثین کی تصریحات اس سلسلہ میں موجود ہیں) مگر ایسی کمزور روایات کو محدثین اپنے مجموعہ ہائے حدیث میں شامل کرنا ان مجموعہ ہائے حدیث کے استناد کو کمزور بنا دینے کے مترادف سمجھتے تھے۔

غالبًا یہی وہ نمایاں سبب ہے کہ محدثین کے مقابلہ میں مؤرخین اور سیرت نگاروں کا تیار کردہ سیرتی مواد (ادب) عوام میں زیادہ مقبول رہا۔ لیکن اس سیرتی مواد (ادب) میں بہت کچھ رطب و یابس بھی ہمیشہ موجود رہا۔ اس رطب و یابس اور صحیح وضعیف مواد میں سے محض صحیح مواد کو الگ کر کے سیرت مرتب کرنے کا رجحان پھر بھی برابر اہل علم کے ہاں کسی نہ کسی درجہ میں جاری رہا، خاص کر امام ابن کثیر، حافظ ابن حجر، حافظ ابن القیم وغیرہ کی کاوشیں اس سلسلہ میں بطور مثال پیش کی جا سکتی ہیں۔

دور جدید میں جب مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو ہدف بنا کر اپنی علمی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور مسلمانوں کے مآخذ و مصادر ہی سے ایسا لٹریچر تیار کرنا شروع کیا جس سے خود بعض مسلمان بھی شکوک و شبہات کا شکار ہونے لگے تو مسلمان سیرت نگاروں کے ہاں اس رجحان کے احساس میں اضافہ ہوا کہ سیرت پر جو کچھ لکھا جائے وہ قطعی مستند ہونا چاہیے تاکہ سیرت کے مآخذ میں موجود غیر مستند مواد کی بنیاد پر جو اعتراضات قائم ہوتے ہیں ان کی بنیاد خود ہی ختم ہو جائے۔ اس احساس کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے صرف قرآن کی روشنی میں سیرت مرتب کرنے کی کوشش کی۔ بعض اہل علم نے قرآن کے ساتھ صرف صحیح احادیث کے دائرہ میں رہتے ہوئے سیرت پر کتابیں لکھیں۔ بعض اہل علم نے سیرت پر موجود تمام دستیاب مواد سے اخذ و انتخاب کا بیڑہ اٹھایا۔ گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس حد تک تو علمی حلقوں میں خاصا اتفاق رائے دکھائی دیتا ہے کہ سیرت سے متعلقہ مواد نہایت مستند ہو مگر اس مستند مواد کے مآخذ و مصادر کیا ہوں اور ان مصادر سے اس کا اخذ و انتخاب کن اصولوں کی بنیاد پر ہو، اس سلسلہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

دور جدید میں بہت سی ایسی کتب سیرت سامنے آئی ہیں جو مستند سیرت نگاری کے اس اسلوب کی ترجمانی کرتی ہیں مثلاً اردو میں: ''سیرت النبیؐ'' (از: شبلی نعمانی رسید سلیمان ندوی)، ''اصح السیر'' (از: عبدالرؤف دانا پوری) وغیرہ۔ عربی میں: السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، (از: د۔ اکرم ضیاء العمری)،

السیرۃالنبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، (از: مھدی رزق اللہ)، صحیح السیرۃالنبویۃ، (از: ابراھیم العلی)، وغیرہ۔ سنی اہل علم کے علاوہ بعض شیعہ اہل علم نے بھی اس سلسلہ میں ضخیم مواد مرتب کر کے پیش کیا ہے، جیسے الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ، (از: سید جعفر مرتضی العاملی)۔

زیر نظر مقالہ میں ان میں سے عربی اور اردو کی چند اہم کتابوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک تنقیدی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

سیرت نگاری میں صحت و استناد کی ضرورت و اہمیت: پس منظر

جیسا کہ آغاز میں ذکر کیا گیا کہ سیرت کے مآخذ و مصادر میں صحیح و مستند روایات کے پہلو بہ پہلو کمزور روایات کا بھی خاصا ذخیرہ موجود ہے کیونکہ متقدمین نے جب حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت پر لکھنا شروع کیا تو انہیں اس سلسلہ میں جو کچھ دستیاب تھا وہ اسے جمع کرتے چلے گئے۔ جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں کہ

> جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اس طرح سیرۃ کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا، آج بیسیوں کتابیں قدماء سے لے کر متأخرین تک کی موجود ہیں، مثلاً ''سیرت ابن اسحاق''، ''سیرت ابن ہشام''، ''سیرت ابن سید الناس''، ''سیرت دمیاطی''، حلبی، ''مواہب لدنیہ''، کسی میں یہ التزام نہیں[۱]۔

اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ سیرت کا بڑا حصہ غیر احکامی نوعیت کا ہے اور محدثین بالعموم غیر احکامی نوعیت کی روایات کے لیے اپنے اصولوں میں نرمی برتنے کے قائل تھے، جیسا کہ معروف محدث عبد الرحمٰن بن مہدی کا یہ قول اس سلسلہ میں بڑا مشہور ہے کہ

> **اذا روینا عن النبیؐ فی الحلال و الحرام والاحکام شددنا فی الاسانید وانتقدنا فی الرجال، واذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فی الاسانید وتسامحنا فی الرجال**[۲]

۱- شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ مطبع معارف اعظم گڑھ، ط۴، بر حاشیہ از علامہ شبلی، ص۱۰

۲- محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (۸۳۱-۹۰۲/۱۴۲۷-۱۴۹۷ھ)، فتح المغیث بشرح ألفیة الحدیث، الریاض، دارالمنہاج، ط۱، ۱۴۲۶ھ، ج ۲، ص۱۵۱

امام احمد بن حنبلؒ کی بھی یہی رائے تھی، جیسا کہ خطیب بغدادی نے آپ کا یہ قول نقل کیا ہے:

إذا روينا عن رسول الله ﷺ في الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا في الأسانيد وإذا روينا عن النبي ﷺ في فضائل الأعمال وما لا يضع حكما ولا يرفعه تساهلنا في الأسانيد(۳)

خطیب بغدادی کے بقول امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اور دیگر اسلاف محدثین کا بھی یہی موقف ہے(۴)۔

بعد کے اہل علم میں بھی یہ موقف مقبول رہا ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے بعض راویوں کو حدیث کی روایت میں ضعیف قرار دینے کے باوجود تاریخ و سیرت کی روایت میں انہیں مقبول قرار دیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے سیف بن عمر (یا بقول بعض: عمرو) کے بارے میں لکھا ہے کہ

ضعيف في الحديث عمدة في التاريخ (۵)

(یعنی یہ راوی حدیث میں تو ضعیف قرار پاتا ہے، مگر تاریخ میں عمدہ ہے)۔ اسی طرح کی بات انہوں نے اور راویوں کے بارے میں بھی کہی ہے مثلاً احمد بن عبد الجبار عطاردی کوفی راوی کے بارے میں فرماتے ہیں:

ضعيف و سماعه للسيرة صحيح (۶)

اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں جب اسلامی علوم خاص کر سیرت کی قدیم اور اہم کتابوں کی اشاعت اور یورپین زبانوں میں ان کے ترجمہ کا سلسلہ سامنے آیا تو مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف انہی اسلامی مآخذ و مصادر ہی کی روشنی میں پہلے سے مختلف ایک نئے انداز سے لٹریچر تیار کرنا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر اسپرنگر اور سرولیم میور وغیرہ کی مثالیں قابل ذکر ہیں جنہوں نے سیرت کے قدیم مآخذ میں سے کمزور اور ناقابل استناد روایات کو بنیاد بنا کر پیغمبر اسلام کے خلاف ضخیم کتابیں تالیف کیں۔ سرسید احمد خان جنہوں نے سرولیم میور کی کتاب کا سب سے پہلے جواب لکھا انہوں نے اپنی کتاب

۳- احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی، الکفایة فی علم الروایة، جمعیة دائرة المعارف العثمانیة، حیدرآباد الدکن، ۱۳۵۷ھ، ص ۱۳۳

۴- ایضاً

۵- ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، تقریب التہذیب، مطبع منشی نولکشور، لکھنؤ، دہلی، ط۱۲۹۰ھ، ص ۲۱۸

۶- ایضاً، بذیل ترجمہ: احمد بن عبد الجبار العطاردی الکوفی

''الخطبات الاحمدیۃ'' کے مقدمہ میں اس حوالے سے کچھ حقائق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کا درج ذیل اقتباس اس سلسلہ میں قابل توجہ ہے:

......غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتابیں کیا قدیم کیا جدید، مثل ایسے غلہ کے انبار کے ہیں جس میں سے کنکر پتھر کوڑا کرکٹ کچھ چنا نہیں گیا اور ان میں تمام صحیح و موضوع جھوٹی اور سچی سند اور بے سند ضعیف و قوی مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ہیں۔ سرولیم میور صاحب ارقام [کذا] فرماتے ہیں کہ ''آنخضرتؐ کے حالات زندگی کی تین کتابیں ہشامی [کذا]، واقدی، طبری ایسی ہیں کہ جو شخص دانشمندی سے آنخضرتؐ کے حالات لکھے گا تو اپنی تحریر کے لیے ان ہی کتابوں کو سند گردانے گا'' مگر صاحب ممدوح نے اس بات کو بیان نہیں فرمایا کہ ان کتابوں میں کس قدر ایسی روایتیں ہیں جن سے آنخضرتؐ کو کچھ بھی علاقہ نہیں۔ اور کس قدر ایسی ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے اور کس قدر ایسی ہیں جن کے راویوں کی خصلت نہ کسی مذہبی مسئلہ کے سبب بلکہ اخلاقی نقصانوں کے سبب مشتبہ اور ان کی راست بیانی مشکوک یا مطعون ہے اور کس قدر ایسی ہیں جن کے بیان کرنے والے بالکل لا معلوم شخص ہیں اور کس قدر ایسی ہیں جن کی تحقیق یا تصدیق نہیں ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے نہایت گرم جوشی سے واقدی کی قدر و منزلت کو اس کی اصلی حقیقت سے بہت بڑھا دیا ہے جس کی نسبت سرولیم میور صاحب یہ ارقام فرماتے ہیں کہ ''ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کتاب کی تعریف اس کی حد سے زیادہ کی ہے''۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود اس کے صاحب ممدوح نے بھی واقدی کی کم قدر نہیں کی اور اوروں پر ترجیح دینے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ اس لیے کہ انھوں نے بھی آنخضرتؐ کی زندگی کے تمام حالات کو اسی کتاب سے لکھا ہے اور اسی کی سند پر مذہب اسلام کے برخلاف تمام رایوں کو قائم کیا ہے(۷)۔

۷۔ سرسید احمد خان، الخطبات الاحمدیۃ فی العرب والسیرۃ المحمدیۃ، کراچی، نفیس اکیڈمی، ط۱، ۱۹۶۴ء، ص۲۵-۲۶

سرولیم میور نے اپنی کتاب میں ہر طرح کی کمزور اور موضوع روایات کو اپنے مدعا کے لیے استعمال کیا تھا، اور ایسی کمزور روایات خود اسلامی لٹریچر ہی سے اور دیگر مستشرقین کو فراہم ہوگئی تھیں[8]، چنانچہ سرسید نے یہ خیال کیا کہ اسلامی لٹریچر کے رطب و یابس میں سے اپنے معیارِ صحت کے ساتھ مستند روایات لے کر سیرت مرتب کی جائے تاکہ غیر مستند روایات سے استفادہ کی بنیاد ہی ختم کر دی جائے جیسا کہ وہ خود اس رجحان کی عکاسی ان لفظوں میں کرتے ہیں:

> میرے دل پر جو اس کتاب سے اثر پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اسی زمانہ میں میں نے ارادہ کیا کہ آنحضرتؐ کے متعلق حالات میں ایک کتاب اس طرح پر لکھی جاوے کہ جو باتیں صحیح اور اصلی اور واقعی اور منقح ہیں اور معتبر روایتوں اور صحیح صحیح سندوں سے بخوبی ثابت ہیں ان کو بخوبی چھان بین کر اور امتحان کر کے ترتیب سے لکھا جائے اور جو حالات مشتبہ اور مشکوک ہیں اور ان کا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہے ان کو جداگانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جائے اور جو محض جھوٹ اور افترا و بہتان یا خود غرض یا احمق واعظوں اور حمقاء کو دامِ تزویر میں پھنسانے والے لوگوں یا احمق خدا پرست اور جھوٹی نیکی پھیلانے والوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں ان کو علیحدہ بہ ترتیب لکھا جائے اور ان ہی کے ساتھ ان کے غلط اور نامعتبر ہونے کا ثبوت اور ان کے موضوع ہونے کی وجوہات بھی بیان کی جاویں[9]۔

سرسید کی اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب رقم طراز ہیں:

> یہ سیرت کی تاریخ میں پہلی کتاب ہے جو ایک مسلمان دانشور نے غیر مسلم

۸- مؤرخ جواد علی نے اپنی کتاب **المفصل فی تاریخ العرب** (ص۹، ۱۱) میں اسپرنگر اور کایتانی پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے اسلامی لٹریچر سے کمزور روایات کا انتخاب کیا اور انہیں مستند روایات پر ترجیح دیتے ہوئے سیرت کے حوالے سے بہت سے شکوک و شبہات پیدا کیے ہیں۔ اسی طرح دیگر اہلِ علم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، مثلاً محمد بن محمد ابوشہبہ کے بقول: مستشرقین کی بنیاد یا تو اسلامی ادب میں موجود باطل روایات ہیں یا پھر وہ صحیح روایات کی غلط تعبیر و تشریح سے کام لیتے ہیں۔ (دیکھیے: ابوشہبہ، محمد بن محمد، السیرة النبویة فی ضوء القرآن و السنة، دار القلم، دمشق، ط۱، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء، ج۱، ص ۱۵)

۹- سرسید، محولہ بالا، ص۳۰

ملک میں جا کر غیر مسلم ماحول میں، غیر مسلموں کے اسلوب اور استدلال سے کام لے کر ایک غیر مسلم مصنف کی تردید میں لکھی اور سیرت کے بارے میں جو نقطہ نظر ان کی رائے اور تحقیق میں درست تھا اس کو بیان کیا۔ یہ کتاب ایک ضخیم کتاب تھی۔ کئی سو صفحات پر مشتمل تھی لیکن پھر بھی یہ ایک نامکمل کتاب ہے۔ اس کی تکمیل سرسید نہیں کر سکے۔ اس کے بارہ ابواب یا بارہ خطبات تیار کیے گئے۔ ان بارہ خطبات میں سرسید نے ایک نیا انداز اپنایا، مغربی تحقیقات اور تصانیف سے استفادہ کیا، مستشرقین کے جواب دینے کی کوشش کی، مستشرقین نے بالعموم اور ولیم میور نے بالخصوص جو اعتراضات کئے تھے ان کا جواب دیا، قدیم سیرت کے مآخذ کے بارے میں سرسید نے ایک نیا رویہ اختیار کیا جس کی بعد میں تقریباً ہر سیرت نگار نے پیروی کی ہے۔ وہ یہ کہ تمام قدیم مآخذ کا ناقدانہ جائزہ لے کر یہ طے کیا جائے کہ کون سے مآخذ قابل اعتماد ہیں اور کون سے ناقابل اعتماد ہیں(۱۰)۔

یہ رویہ کیوں اختیار کیا گیا اس کی وجہ غازی صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ

بعض مآخذ کے بارے میں شروع میں ہی محدثین نے تحفظات کا اظہار کیا تھا مثلاً ابن اسحاق، واقدی اور دیگر کئی لوگ غیر مستند سمجھے جاتے تھے اور محدثین ان کے بیانات کو قبول کرنے میں تأمل کرتے تھے۔ بعد میں جب ان حضرات کی کتابیں مرتب ہوگئیں تو ان کی حسن ترتیب، جامعیت اور دوسری خوبیوں نے ان کو جلد ہی قبول عام عطا کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کتابیں اتنی عام ہوگئیں کہ بیشتر لوگوں نے محدثین کے اس تحفظ کو بھی فراموش کر دیا اور یہ کتابیں سیرت نگاری کے میدان میں رائج ہو گئیں۔ بعد میں تقریباً ایک ہزار بلکہ گیارہ سو سال تک کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ واقدی کے بارے میں محدثین کیا کہتے تھے، ابن اسحاق کے بارے میں محدثین کو کیا تأمل تھا، فلاں اور فلاں کے بارے میں

۱۰- ڈاکٹر محمود احمد غازی، **محاضرات سیرت**، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ط۳، مئی ۲۰۰۹ء، ص۶۲۰

محدثین کو کیوں تأمل تھا۔ جب سر ولیم میور نے یہ کتاب لکھی اور اس میں ان تمام مآخذ کی کمزور باتوں کو جمع کیا اور ان کی وہ تعبیریں کیں جو مسلمانوں کے لیے دل آزار تھیں تو بہت سے مسلمان اہل علم کو ان قدیم سیرت نگاروں کے بارہ میں محدثین کے تحفظات ایک بار پھر یاد آئے۔ دوسرے متعدد سیرت نگاروں کی طرح سرسید کو بھی دوبارہ یہ خیال ہوا کہ اس پورے ذخیرے کا اب ازسرنو جائزہ لینا چاہئے اور یہ طے کرنا چاہئے کہ سیرت کے ان قدیم مصادر میں کون کون سی چیزیں قابل اعتماد ہیں اور کون کون سی چیزیں ناقابل اعتماد ہیں۔ جو قدیم مضامین محل نظر سمجھے جاتے تھے اور نسبتاً مبالغہ آمیز تھے ان کو دہرانے سے اجتناب کیا جائے اور اب سیرت کی کتابوں میں صرف وہ مضامین شامل کیے جائیں جو قابل اعتماد ہیں اور جن پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا(۱۱)۔

یہ وہ پس منظر ہے جس کے پیش نظر سیرت نگاری میں اس رجحان کے احساس میں اضافہ ہوا کہ سیرت پر جو کچھ لکھا جائے وہ مستند ہونا چاہیے تاکہ سیرت کے مآخذ میں موجود غیر مستند مواد کی بنیاد پر جو اعتراضات قائم ہوتے ہیں ان کی بنیاد خود ہی ختم ہو جائے۔ چنانچہ اس احساس کا ایک مظہر تو یہ سامنے آیا کہ بعض لوگوں نے صرف قرآن کی روشنی میں سیرت مرتب کرنے کی کوشش کی۔ جبکہ دوسرا مظہر یہ سامنے آیا کہ بعض اہل علم نے قرآن کے ساتھ صرف صحیح احادیث کے دائرہ میں رہتے ہوئے سیرت پر کتابیں لکھیں۔ اور تیسرے مظہر کے طور پر بعض ایسے اہل علم بھی سامنے آئے جنہوں نے سیرت پر موجود تمام دستیاب مواد میں سے اخذ و انتخاب کا بیڑہ اٹھایا۔ یہ گویا ایک ہی رجحان کے تین مختلف مظاہر تھے اور وہ رجحان یہ کہ سیرت پر جو کچھ لکھا جائے اس کا درجہ استناد حتی الامکان ناقابل اعتراض ہو۔ آئندہ سطور میں ان تینوں مظاہر کے حوالے سے ضروری تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

الف: پہلا مظہر؛ صرف قرآن سے ترتیبِ سیرت

قرآن مجید کا تواتر کے درجہ میں ثابت ہونا چونکہ مسلمانوں کے ہاں ایک اجماعی مسئلہ ہے، اس لیے ظاہر ہے قرآن مجید جس میں نبی کریم ﷺ کی سیرت کے بہت سے پہلو بیان ہوئے ہیں، سیرت کے مآخذ میں سب سے مستند مأخذ قرار پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت یا مآخذ سیرت پر لکھنے والوں نے صحت و استناد

۱۱- ایضاً، ص۶۲۰ - ۶۲۱

کے لحاظ سے قرآن مجید ہی کو بلا اختلاف پہلا درجہ دیا ہے (۱۲)۔

قرآن مجید میں سیرت کے کن حصوں کا کس قدر بیان ہے، یہاں اس کی تفصیل ممکن ہے نہ مطلوب، تاہم اختصار کے ساتھ یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ قرآن مجید میں آپ ﷺ کی یتیمی، قبلِ بعثت کی پاک صاف زندگی، آغازِ وحی، نزول وحی، ختم نبوت، کفار سے دشمنی کی وجہ، غیر مسلموں کو دعوت دین اور اس کا اسلوب، دشمنوں سے جنگیں، یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے تعلقات کی نوعیت، منافقین کے ساتھ برتاؤ، صحابہ کے ساتھ آپ کا طرز عمل، دین پر ثابت قدمی، صبر وشکر اور دیگر اخلاق حسنہ وغیرہ کے حوالے سے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے (۱۳)۔

قرآن مجید سیرت کا سب سے مستند مأخذ تو ضرور ہے، مگر کیا سیرت کے دیگر مآخذ سے صرفِ نظر کر کے صرف قرآن ہی کی روشنی میں سیرت پر ایک جامع اور مکمل کتاب تصنیف کی جا سکتی ہے؟

یہ ایک اہم سوال ہے اور راقم الحروف کے خیال میں غالبًا فتنۂ انکارِ حدیث کے بعد اس سوال کی اہمیت میں اضافہ ہوا اور حدیث کی اہمیت کو تسلیم کرنے والے اور اس کی ضرورت و اہمیت سے صاف انکار کرنے والے دونوں حلقوں نے اس کی طرف توجہ مبذول کی ہے۔ مؤخر الذکر حلقہ چونکہ حدیث کی صحت و استناد کو مشکوک قرار دیتا ہے، اس لیے لامحالہ سیرت کے بیان میں وہ کتب حدیث اور ضمناً کتبِ سیرت سے استفادہ کی ضرورت کو لایعنی خیال کرتا ہے اور اگر ان کے ہاں سیرت سے متعلقہ مواد میں روایات کو لیا بھی گیا تو اس اصول کے ساتھ کہ یہ مواد قرآن کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہیے نہ کہ اس کے منافی، مگر اس اصول کو بہت حد تک غلط طور پر استعمال کیا گیا اور اس کے نتیجے میں مسلمہ روایات سے صاف انکار کی جھلک ان کے لٹریچر میں نمایاں ہے۔ اس سلسلہ میں اس حلقہ کے مشہور صاحب قلم جناب غلام احمد پرویز صاحب (۱۹۰۳-

---

۱۲- سیرت کے مآخذ و مصادر کی تفصیلات کے حوالے سے دیکھیے:

۱- الزھرانی، ضیف اللہ بن یحییٰ، مصادر السیرۃ النبویۃ، مدینہ منورہ: مجمع الملک فھد، س ن

۲- العمری، اکرم ضیاء، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، مدینہ منورہ، مکتبۃ العلوم و الحکم، طبع پنجم ۱۹۹۳ء

۳- مہدی رزق اللہ، السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، ریاض، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، طبع اول ۱۹۹۲ء

۴- البکری، محمد انور بن محمد، مصادر تلقی السیرۃ النبویۃ، مدینہ منورہ: مجمع الملک فھد، س، ن

۵- فاروق حمادہ، مصادر السریۃ النبویۃ و تقویمھا، دار الثقافۃ: الدار البیضاء، طبع اول ۱۴۰۰ھ

۱۳- تفصیلات کے لیے دیکھیے: دروزۃ، محمد عزۃ، سیرۃ الرسول ﷺ -- صور مقتبسۃ من القرآن الکریم وتحلیلات و درسات قرآنیۃ، القاھرۃ: مطبعۃ الاستقامۃ، طبع اول ۱۹۴۸ء

۱۹۵۸ء) کی کتاب ''معراج انسانیت'' ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

جب کہ دوسرا حلقہ جو اگرچہ حدیث و سنت کی ضرورت و اہمیت کا قائل ہے، مگر چونکہ قرآن کے علاوہ سیرت کے دیگر مآخذ میں صحیح و مستند روایتوں کے پہلو بہ پہلو ضعیف اور موضوع قسم کی روایتوں کا بھی انبار ہے، بلکہ ایسی روایتیں بھی ہیں جن کا قرآن مجید سے تضاد و تعارض بالکل نمایاں ہے، اس لیے غالباً یہ حلقہ صحیح و مستند روایتوں کی چھان پھٹک میں پتہ ماری سے بچنے کے لیے اسی میں عافیت سمجھتا ہے کہ سیرت کو قرآن ہی سے مرتب کر لیا جائے۔ تاکہ سیرت بھی مرتب کر لی جائے اور اس کا درجہ استناد بھی نہایت محکم رہے۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے اور اس طرح سیرت پر ایک جامع کتاب مرتب کی جا سکتی ہے؟ اس سلسلہ میں لکھی گئی اکثر و بیشتر کتابوں کے مطالعہ کی روشنی میں اس سوال کا جواب بھی نفی میں ہے، جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہو گا۔

ابوالکلام آزادؒ کا نقطۂ نظر

ابوالکلام آزادؒ گو کہ حدیث و سیرت کی امہات کتب کی اہمیت کو یقینی طور پر تسلیم کرتے تھے(۱۴)، مگر اس

۱۴- اس کی ایک دلیل تو آپ کی تحریروں میں ان مصادر سے بکثرت استدلال و استفادہ کی مثالیں ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ نے اکثر و بیشتر اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ قرآن کے علاوہ نبی کریم ﷺ کی سنت و حدیث بھی مأخذ دین ہے، مثلاً ''انکار حدیث و مصلحین متفرنجین'' کے عنوان سے انکار حدیث سے متعلقہ فتنہ کے جواب میں ایک جگہ دو ٹوک الفاظ میں آپ لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کے بعد یقیناً اور حتماً احادیث صحیحہ کا درجہ ہے اور بغیر کسی خوف و تأمل کے اس کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ حدیث صحیح ایک ایسا مصدر علم ضرور ہے جو ہمارے لیے دلیل اور حجت ہو سکتا ہے اور جس طرح ہم اپنے داخلی اعمال میں احادیث کے معترف و معتقد ہیں، بالکل اسی طرح خارج کے اعتراضات میں بھی ان کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن حدیث ایک مدون و منضبط فن ہے، جس کے اصول و قواعد ہیں اور اس کی جمع و ترتیب کا کام صدیوں تک جاری رہا ہے، اس لیے صحت و اعتبار کے لحاظ سے مختلف طبقات و مدارج میں منقسم ہو گیا ہے۔ اس کی بنیاد انسانوں کی روایت پر تھی، اس لیے اصول شہادت و روایت کی بنا پر ضروری تھا کہ نقد و درایت کے اصول وضع کیے جاتے اور وضع کیے گئے۔ اس پورے کرۂ ارضی کے اندر جس میں انسان نے ہزارہا برس کے تجارب و محن کے بعد صدہا علوم و فنون تک رسائی حاصل کی ہے اور ہر قوم نے علم کی تفتیش و تدوین میں حصہ لیا ہے، بے خوف دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کسی علم و فن کو بھی انسانی دماغ نے اس درجہ منضبط اور سعی انسانی کی انتہائی حد تک مرتب و مہذب نہیں کیا، جیسا کہ علمائے سلف نے فن حدیث کو کیا اور یہ ایک مخصوص شرف و مزیت علمی ہے امت مرحومہ کی، جس میں دنیا کی کوئی قوم شریک و سہیم نہیں''۔ (آزاد، ابوالکلام، **رسول رحمتؐ**، مرتب، غلام رسول مہر، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اول ۱۹۷۰ء، ص ۴۷۳، ۴۷۴)

کے باوجود آپ اس بات کی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ قرآن حکیم کی روشنی میں سیرت پر جامع کتاب مرتب کی جائے۔ چنانچہ اپنی اس رائے کا اظہار کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> لوگوں نے حیات و سیرت طیبہ حضرت ختم المرسلین ﷺ پر اس حیثیت سے بہت کم نظر ڈالی ہے کہ اگر روایات و دفاترِ تاریخی سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف قرآن حکیم کو سامنے رکھا جائے تو آپ کی سیرت و حیات پر کیسی روشنی پڑتی ہے اور جس طرح قرآن اپنی کسی بات میں اپنے غیر کا محتاج نہیں، اسی طرح اپنے حامل و مبلغ کے وجود و حیات کے بیان میں بھی خارج کا محتاج ہے یا نہیں؟ اصحابِ سیر و محدثین کرام نے فضائل و مدائح منصوصہ قرآنیہ کے تو باب باندھے ہیں مثلاً قاضی عیاض نے ''شفا'' کے متعدد ابواب میں قرآنِ حکیم کی آیات متعلق فضائل و مدائح جمع کی ہیں، لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے، آج تک کبھی اس کی کوشش نہیں کی گئی کہ صرف قرآن حکیم میں دائرۂ اسناد و اخذ محدود رکھ کر ایک کتاب سیرت میں مرتب کی جائے(۱۵)۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنی اس رائے کا اظہار مولانا شبلی نعمانیؒ کے سامنے بھی کیا، مگر انہوں نے

۱۵- آزاد، محولہ بالا، ص۱۸۔ مولانا کی اسی تحریر میں آگے لکھا ہے کہ ''دہلی سے آ کر میں نے کچھ وقت اس میں صرف کیا اور ایک مستقل سیرتِ نبویہؐ مجرد قرآن حکیم سے ماخوذ و مستنبط شروع کر دی۔ جوں جوں قدم آگے بڑھتا گیا، نئے نئے دروازے کھلتے گئے اور امید و توقع سے کہیں زیادہ کامیابی ہوئی۔ گو حقیقت پہلے سے پیش نظر تھی حتیٰ کہ اس بارے میں بڑا ذخیرہ آیات کا ذہن میں متحضر تھا، لیکن یہ بات تو کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں گزری تھی کہ جس کتاب کو بظاہر جا بجا ذکر، احکام و مسائل وقصص گزشتگان سے مملو پاتے ہیں، اس میں اس قدر وافر ذخیرہ خاص شخص رسالت کے حالات و وقائع کا بھی موجود ہو گا۔ کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد جو دیکھا تو عجیب عالم نظر آیا۔ حیات و سیرت کا کوئی ضروری ٹکڑا ایسا نہیں جس کے لیے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں''۔ (ایضاً، ص۱۰)۔ لیکن راقم الحروف کی مولانا کی ایسی کسی کتاب تک رسائی نہیں ہوسکی جس کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے، نہ ہی غلام رسول مہر صاحب نے مولانا کے مقالات سیرت مرتب کرتے ہوئے ایسی کسی کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔ ممکن ہے مولانا نے اس سلسلہ میں کتاب کا مسودہ تیار کرلیا ہو، مگر اس کی اشاعت کی نوبت نہ آئی ہو اور وہ ان کے عہد کے ہنگامہ خیز حالات کی نذر ہو گئی ہو۔

مولانا آزادؒ کی رائے کو خاص وزن نہ دیا جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

"جس زمانے میں مولانا شبلی نعمانیؒ سے سیرت نبویہؐ کے بارے میں تذکرے رہتے تھے تو ایک مرتبہ مجھے اس کا خیال ہوا تھا۔ میں نے کہا، آپ سیرت میں ایک خاص باب یا سیرت کا ایک خاص حصہ اس عنوان سے قرار دیجیے "قرآن و سیرت محمدیہؐ" اور اس میں صرف آیات قرآنیہ کو بہ ربط و ترتیب جمع کر کے دکھلایئے کہ خود قرآن سے کہاں تک آپ کی شخصیت اور آپ کے وقائع و ایام معلوم ہو سکتے ہیں؟...... بہرحال انہوں نے اس خیال پر بہت ہی پسندیدگی ظاہر کی، مگر وہی اپنی عادت کے مطابق اظہار شک و نا امیدی کہ اتنا مواد صرف قرآن سے کہاں نکل سکتا ہے، سیرت کا ایک باب مرتب ہو سکے! لیکن جب میں نے بہت اصرار کیا تو کہا: اچھا تم اگر یہ ٹکڑا مرتب کر دو تو سیرت کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ آخری یکجائی دہلی میں ہوئی تھی۔ اس وقت انہوں نے کہا: اب مجھ کو خیال ہوتا جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے اور بہت ہی اہم چیز ہو گی"(۱۶)۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر علامہ شبلیؒ اس سلسلہ میں یہاں تک آمادہ ہو گئے تھے تو انہوں نے اپنی شاہکار تصنیف "سیرت النبیؐ" میں اس سلسلہ میں پیش رفت کیوں نہ کی؟!

مقالہ نگار کی عاجزانہ رائے میں مولانا آزاد جیسی عبقری شخصیت کے مذکورہ بالا دعویٰ میں کچھ مبالغہ دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے کہ سیرت کی جامع تصویر قرآن مجید کی روشنی میں مرتب کرنا ممکن ہی نہیں ہے، کیوں کہ قرآن مجید نہ تاریخ کی کتاب ہے اور نہ سیرت و سوانح کی۔ جن لوگوں نے بظاہر اس کے امکان کا دعویٰ کیا ہے اور اس سلسلہ میں کچھ قلم آزمائی کی ہے، وہ بھی اپنے اس دعوے کو عملاً پورا کرنے میں ناکام ہی رہے ہیں، جیسا کہ آئندہ عنوان کے تحت بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہو گا۔

قرآن کی روشنی میں لکھی گئی چند کتبِ سیرت

یہ فہرست بہت طویل ہے اور آئے روز اس میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے، بطور نمونہ چند کتب ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱- سيرة الرسول ﷺ -- صور مقتبسة من القرآن الكريم وتحليلات و درسات قرآنية، از:

۱۶- ایضاً، ص ۱۸

محمد عزة دروزة، القاہرة: مطبعۃ الاستقامۃ، طبع اول ۱۹۴۸ء۔

۲- سیرۃ الرسول ﷺ من القرآن، سید محمد رضوان اللہ، انتظام اللہ شہابی، کراچی: دائرۃ المعارف القرآنیۃ، طبع ۱۹۶۳ء۔

۳- ''سیرتِ رسول ﷺ قرآن کی روشنی میں''، عبد الماجد دریابادی (۱۸۹۲۔۱۹۷۷ء)، (اس کتاب پر مصنف کے پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی زندگی میں شائع ہوگئی تھی۔ بعد میں ۱۹۸۲ء میں ''نقوش رسولؐ نمبر'' کی جلد اول ص۲۳۲۔۳۰۲ میں بھی اسے شامل اشاعت کیا گیا۔ ۲۰۰۳ء میں لاہور کے ادارہ ''تخلیقات'' نے اسے ''سیرت نبویؐ قرآنی'' کے نام سے شائع کیا ہے)۔

۴- رسول اللہ ﷺ فی القرآن الکریم، حسن کامل الملطاوی، القاہرۃ، دار المعارف، طبع دوم ۱۹۷۹ء۔

۵- ''جمال مصطفیٰؐ -- سیرت نبی کریم ﷺ قرآن کی روشنی میں بترتیب نزول''، عبد العزیز عرفی، کراچی: گیلانی پبلشرز۔ ۴ مجلدات، طبع اول بالترتیب، ۱۹۷۸ء، ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۰ء۔

۶- شخصیۃ الرسول ﷺ ودعوتہ فی القرآن الکریم، محمد علی الھاشمی، بیروت: عالم الکتب، طبع سوم ۱۹۸۳ء۔

۷- ''ثنائے خواجہ''، بریگیڈیئر گلزار احمدؒ، طبع اول ۱۹۹۴ء۔

۸- ''تذکارِ نبی ﷺ -- قرآنی آیات کی روشنی میں''، عزیز ملک۔

۹- دلالۃ القرآن المبین علی ان النبی ﷺ افضل العالمین، عبد اللہ بن صدیق الغماری، طبع اول ۱۹۹۷ء۔

۱۰- ''حیاتِ رسولِ اُمّی ﷺ''، خالد مسعود، لاہور: دار التذکیر، طبع اول ۲۰۰۳ء[۱۷]۔

۱۱- ''حیات محمدی ﷺ قرآن حکیم کی روشنی میں''، ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفیؒ، کراچی: دادا بھائی فاؤنڈیشن، طبع اول ۱۹۹۰ء، طبع ثانی ۲۰۰۶ء، کراچی: دارالاشاعت۔

۱۲- ''مقام محمد ﷺ قرآن حکیم کی روشنی میں''، وہی مصنف، کراچی: دارالاشاعت، طبع اول ۲۰۰۵ء۔

۱۳- ''اخلاقِ محمد ﷺ قرآن حکیم کی روشنی میں''، وہی مصنف۔ یہ کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی، تاہم اس کے جملہ مباحث 'السیرۃ' (کراچی: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز) کے شماروں (۱۵ تا ۲۰) میں چھ قسطوں

۱۷- یہاں پیش کی گئی دیگر کتبِ سیرت کے مقابلہ میں اس کتاب کا فرق یہ ہے کہ اگرچہ اس میں بھی بنیادی طور پر سیرت کو قرآن ہی کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر مصنف نے پہلے ہی اس بات کو بھی واضح کر دیا ہے کہ ''میری یہ کوشش رہی ہے کہ کتبِ سیرت کی روایات سے بھی بھرپور استفادہ کروں'' (ص۱۲)

میں شائع ہو چکے ہیں۔

۱۴- ''سیرت رسول ﷺ قرآن کے آئینے میں''، ڈاکٹر عبد الغفور راشد، لاہور: نشریات، طبع اول ۲۰۰۶ء۔

مذکورہ بالا کتابوں میں سے بعض پر ڈاکٹر ایس۔ ایم زمان چشتی صاحب نے ایک مختصر مگر نہایت عالمانہ نقد وتبصرہ کیا ہے، جو ان کی کتاب ''نقوشِ سیرت'' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس نقد میں انہوں نے اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ ''محض قرآن کریم کی آیات مبارکہ کی روشنی میں سیرت طاہرہ (علی صاحبها الصلوٰة و التسلیم) پر کسی مبسوط و مربوط کتاب کی تالیف کہاں تک ممکن ہے؟''(۱۸)۔

اس سلسلہ میں موصوف اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ

> قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیات مختلف مقامات پر منتشر ہیں جن سے نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر روشنی پڑتی ہے۔ حضور ﷺ کے حالات زندگی کا سب سے معتبر اور شک و شبہ سے پاک سرچشمہ بھی قرآن کریم ہی ہے مگر حدیث و سیر کی روایات سے مدد لیے بغیر نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کی مکمل قابل فہم تاریخی تصویر کھینچنا امر محال ہے، تاہم اس سلسلے میں حسن نیت سے کی گئی کوششیں جزائے خیر کی سزاوار ہیں، انشاء اللہ(۱۹)۔

ب- دوسرا مظہر؛ قرآن اور صحیح احادیث کی روشنی میں سیرت نگاری

مستند سیرت نگاری کے ضمن میں دوسرا مظہر یہ سامنے آیا کہ سیرت نگاری کے لیے قرآن مجید کے ساتھ صحیح احادیث کو بھی شامل کیا جائے کیونکہ احادیث کے بغیر سیرت نگاری ممکن نہیں۔ لیکن یہ پہلو فی نفسہ تیسرے مظہر، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، کے ساتھ مخلوط ہو کر رہ گیا، اور اپنی کوئی مستقل حیثیت قائم نہ

۱۸- ڈاکٹر ایس ایم زمان چشتی، **نقوش سیرت**، لاہور، پروگریسو بکس، طبع ا، ۲۰۰۷ء، ص۱۴۱ اوبعدہ

۱۹- ایضاً، ص۱۴۴۔ محترم زمان صاحب نے اس سلسلہ کی ایک کتاب ''سیرت رسول ﷺ قرآن کی روشنی میں'' جو مولانا عبدالماجد دریابادی کی تصنیف ہے، کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اردو میں اس ادعاء کے ساتھ جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی **''سیرت رسول ﷺ قرآن کی روشنی میں''**۔۔۔خاصے کی چیز ہے اور شاید واحد کتاب ہے جو اس عنوان پر بکمال حسن و لطافت کے ساتھ پوری اترتی ہے''۔ ایضاً، ص۱۴۹۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں بھی کئی جگہوں پر بات کو مربوط و مدلل بنانے کے لیے مصنف دریابادیؒ روایتوں کا سہارا لینے پر مجبور واقع ہوئے ہیں۔ اس موضوع کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مبشر حسین، **قرآن بحیثیت مأخذ سیرت اور مولانا ابوالخیر کشفی**، مجلّہ فکر ونظر، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی

کر سکا۔ اس لیے کہ کتب احادیث میں صحیح کے ساتھ ضعیف روایات بھی شامل ہیں اور بعض روایات کے ضعیف ہونے میں خود محدثین کے ہاں اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک روایت کسی محدث کے نزدیک ضعیف ہے تو کسی اور محدث کے نزدیک وہی حسن (مستند) کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح متقدم سیرت نگاروں میں سے بیشتر محدثانہ اوصاف سے موصوف ہیں۔ ان کے ہاں روایت سیرت میں اسی طرح سند کا اہتمام موجود تھا جس طرح محدثین کے ہاں پایا جاتا تھا۔ یہی صورت حال بعض اولیں مؤرخوں کے ہاں بھی موجود ہے۔ اب ان سیرت نگاروں یا تاریخ نگاروں کو کلیۃً نظر انداز کر دینے یا سیرت نگاری میں نسبتاً کمزور روایات سے کلیۃً پہلو تہی کر لینے سے سیرت نگاری میں بہت سے خلا رہ جانے اور سیرت کی مکمل اور مربوط صورت کشی نہ ہو پانے کے پیش نظر یہ پہلو تیسرے پہلو کے ساتھ مخلوط ہو گیا۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی لائق توجہ ہے کہ جس طرح محض قرآن مجید کی روشنی میں تالیف سیرت ناممکن ہے بلکہ کئی غلط فہمیوں کا باعث بھی ہے، اسی طرح محض احادیث صحیحہ کی روشنی میں کی جانے والی سیرت نگاری بھی بعض جگہوں پر خلا اور نقص پیدا کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں[۲۰]۔

مثلاً جیسا کہ محمد الغزالی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ غزوہ بنو المصطلق کے حوالے سے بخاری و مسلم کی رویات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کا بنو المصطلق حملہ آور ہونا اسلام کی دعوت دیے بغیر اچانک تھا وہ اس سے بالکل بے خبر تھے، غزالی لکھتے ہیں: کہ اس قسم کا اقدام اسلامی تعلیمات کی روح سے میل نہیں کھاتا اور سیرت طیبہ سے بعید ہے یہ اور اس طرح کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ محض احادیث صحیحہ کی روشنی میں سیرت نگاری سے غلط فہمیوں کا بھی دروازہ کھل سکتا ہے۔

ج-تیسرا مظہر: تمام مصادر سیرت سے محدثانہ اصولوں کی بنیاد پر اخذ و انتخاب

یہ پہلو دوسرے مظہر ہی کی ایک ترقی یافتہ اور نسبتاً بہتر شکل تھی۔ اس مظہر کی عکاسی ان تمام کتابوں سے ہوتی ہے جن کے مؤلفین نے اس بات کا دعویٰ یا اہتمام کیا کہ وہ سیرت نگاری میں صرف اور صرف مستند روایات لیں گے، تاہم سیرت کے مختلف پہلوؤں کی تکمیلی ضرورتوں کے پیش نظر کمزور روایات بھی لیں گے لیکن جہاں کمزور روایتوں کا قوی روایتوں سے تصادم ہو گا اور جمع و تطبیق بھی ممکن نہ ہو گی وہاں کمزور روایتوں پر قوی روایتوں کو ترجیح دیں گے۔ اس ضمن میں جو کتابیں سامنے آئی ہیں، ان سب کا استقصا تو یہاں ممکن نہیں، تاہم ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

۲۰- دیکھیے: عمری، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، ج ۱، ص ۵۰، نیز دیکھیے: محمد الغزالی، فقہ السیرۃ، عابدین، سوریا، دارالکتب الحدیثۃ، شارع الجمہوریۃ بعابدین، ط ششم، ۱۹۶۵ء، ص ۱۰، ۱۱، ۳۰۸

۱- سیرت النبیؐ (از: شبلی نعمانی رسید سلیمان ندوی)۔ اس کتاب کے ضخیم مقدمہ میں مصنف نے اس بات پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ وہ سیرت پر موجود تمام دستیاب مواد سے استفادہ کریں گے اور یہ کہ روایات کے اخذ و انتخاب میں ان کے پیش نظر کیا اصول ہوں گے، کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔ اس پر مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۲- أصحُّ السِیَر (از: عبدالرؤف دانا پوری، نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی، س، ن)۔ اس کتاب کے مصنف نے بھی سیرت کے مواد کو قرآن و حدیث اور سیرت و تاریخ کی کتابوں سے محدثانہ اصولوں کی رعایت سے ترتیب دیا ہے۔ بعض واقعات میں اصولوں کے اطلاق میں مصنف نے مولانا شبلی پر نقد بھی کیا ہے۔

۳- سیرة المصطفیٰ (از: مولانا محمد ادریس کاندہلوی، مکتبہ عثمانیہ، جامعہ اشرفیہ، فیروز پور روڈ، لاہور، ط ۱۹۷۹ء)۔ اس کتاب کے مقدمہ[۲۱] میں مصنف نے وضاحت کی ہے کہ وہ اس کتاب میں محدثانہ نقطہ نظر سے صحیح و معتبر روایات سے استفادہ کریں گے۔ مصنف کے ہاں مولانا شبلی پر نقد و نظر کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

۴- الرحیق المختوم (از: صفی الرحمٰن مبارکپوری، دار السلام، الریاض، ط۱۹۹۲ء)۔ صحت و استناد کے زیر بحث اصولوں کی رعایت سے لکھی جانے والی یہ کتاب بنیادی طور پر رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام سیرت نگاری کے ایک عالمی مقابلے (۱۳۹۸ھ) کے لیے پیش کی گئی تھی اور اس میں یہ پہلے انعام کی حقدار قرار پائی۔ اصلاً یہ کتاب عربی میں ہے، تاہم اس کا اردو ترجمہ بھی مصنف ہی کے قلم سے شائع شدہ ہے۔

۵- السیرة النبویة الصحیحة، (از: ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری، مدینہ منورہ، مکتبۃ العلوم و الحکم، طبع پنجم ۱۹۹۳ء)۔ اس کتاب کے عنوان ہی سے مصنف نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ وہ سیرت پر مستند مواد ہی پیش کریں گے۔ اس پر مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۶- صحیح السیرة النبویة، (از: ابراہیم العلی، دار النفائس، عمان، اردن، ط سوم، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء)۔ جیسا کہ عنوان ہی سے واضح ہے کہ اس میں سیرت پر مستند مواد جمع کیا گیا ہے، تاہم مقدمہ میں[۲۲] مصنف نے چار طرح کے مصادر سیرت (یعنی (۱) قرآن، (۲) کتب حدیث، (۳) کتب

۲۱- دیکھیے: کتاب مذکور، ص۴، ۱۲

۲۲- دیکھیے: کتاب مذکور، ص۱۳

مغازی و سیر و دلائل و شمائل اور (۴) کتب ادب و لغت و شعر کا بالترتیب ذکر کیا ہے اور ان سے استفادہ کے لیے پہلے تین کا درجہ بدرجہ ذکر کیا ہے جبکہ آخری مصدر سے استفادہ کی بات کو نظر انداز کر دیا ہے۔

۷- السیرة النبویة فی ضوء المصادر الاصلیة، (از: ڈاکٹر مھدی رزق اللہ، ریاض: مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیة، طبع اول ۱۹۹۲ء)۔ یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر نہایت اہم ہے۔ مصنف نے سیرت کے مواد کو محدثانہ اصولوں کی رعایت سے اخذ کیا ہے، چنانچہ جابجا روایات کی صحت و ضعف پر محدثانہ مباحث پڑھنے کو ملتے ہیں۔ حال ہی میں مکتبہ دارالسلام، (ریاض/پاکستان) کی طرف سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔

۸- السیرة النبویة، (از: نجاح الطائی، مؤسسة البلاغ، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء)۔ اس کتاب کے مقدمہ میں(۲۳) مصنف نے اپنی کتاب کے لیے یہ عنوان ذکر کیا ہے: السیرة النبویة الصحیحة، بالفاظ دیگر اپنی کتاب میں درج مواد کے بارے میں انہوں نے صحت و استناد کا دعویٰ کیا ہے (قطع نظر اس سے کہ وہ اس دعویٰ پر پورا اترے ہیں یا نہیں)۔

۹- صحیح السیرة النبویة المسماة السیرة الذھبیة، (از: محمد بن رزق طرھونی، دار ابن تیمیہ، قاہرہ، ط اول ۱۴۱۰ھ)۔ مصنف نے جیسا کہ عنوانِ کتاب سے واضح ہے، قرآن اور صحیح احادیث سے انتخاب کی کوشش کی ہے بلکہ اس سلسلہ میں دیگر اہل علم کے برعکس کچھ شدت پسند واقع ہوئے ہیں، جیسا کہ موصوف کتاب کے مقدمہ (ص۱۸) میں لکھتے ہیں کہ ''اہل علم کے ہاں یہ منہج معروف ہے کہ سیرت، مغازی، فضائل و رقاق اور زہد وغیرہ جیسے (یعنی غیر احکامی) مباحث میں کمزور روایات نقل کرنا جائز ہے، لیکن میں نے اس کی بجائے اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات کے ساتھ وہی طریق کار اختیار کیا ہے جو احکامی روایات کے بارے میں اہل علم کرتے ہیں یعنی یہ کہ ان میں بھی تساہل (یعنی کمزور روایات) سے کام نہیں لیا''۔ بلکہ مصنف نے اسماء و انساب اور اماکن وغیرہ میں بھی صرف حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ روایات سے استفادہ کا دعویٰ کیا ہے۔

۱۰- السیرة النبویة کما جاءت فی الاحادیث الصحیحة، (محمد الصویانی، مکتبہ العبیکان، الریاض، ط ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء)۔ اس کتاب کی ورق گردانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے نصوص اور ان

۲۳- دیکھیے: کتاب مذکور، ص۱۰۔

کے حوالہ جات میں خاص اہتمام اور احتیاط سے کام نہیں لیا۔ دوسرے لفظوں میں عنوان ہٰذا کتاب کے مواد کی درست نمائندگی نہیں کر پایا۔

۱۱۔ الصحیح من سیرة النبی الاعظم، (سید جعفر مرتضی العاملی، المرکز الاسلامی للدراسات، بیروت، ط پنجم، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء)۔ یہ کتاب پینتیس ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے صحت مواد کے اہتمام کا دعویٰ کیا ہے، تاہم مصنف چونکہ خود شیعہ نقطہ نظر کے حامل ہیں، اس لیے اسی نقطہ نظر کی روشنی میں انہوں نے کتاب ترتیب دی ہے۔ اس لیے ظاہر ہے ان کے اصول سیرت نگاری کا سنی اصول سیرت نگاری سے خاصا اختلاف رائے بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ اس کتاب کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں مصنف نے سنی اور شیعہ دونوں مصادر سے واقعات سیرت کے تقابلی مطالعہ کا اہتمام بھی کیا ہے۔

۱۲۔ السیرة النبویة فی ضوء القرآن و السنة، (د۔ محمد بن محمد ابوشہبہ، دار القلم، دمشق، ط اول، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء)۔ یہ بھی زیر نظر موضوع پر ایک اہم کاوش ہے۔

ان کے علاوہ کچھ ایسی کتابیں بھی سامنے آئی ہیں جن میں سیرت نگاری کی بجائے مصادر سیرت اور اصول سیرت پر نظری بحث کی گئی ہے، یہ کتابیں بھی زیر بحث موضوع کے حوالے سے اہم ہیں، مثلاً:

۱۔ مصادر السیرة النبویة، (از: ضیف اللہ بن یحییٰ الزہرانی، مدینہ منورہ: مجمع الملک فهد، س ن)۔ یہ کتاب سیرت کی بجائے صرف مصادر سیرت پر بحث کرتی ہے اور دور جدید میں سیرت نگاری میں صحت مصادر کی بحث سے اس کا تعلق یہ ہے کہ یہ سیرت کے اصلی اور تکمیلی مصادر پر بحث کرتی ہے۔ مصنف کے نزدیک مصادر سیرت دو طرح کے ہیں۔ ایک مصادر اصلیہ ہیں جو یہ ہیں: (۱) قرآن (۲) کتبِ احادیث (۳) کتب مغازی و سیر، اور (۴) کتبِ دلائل و شمائل۔ اور دوسرے مصادر تکمیلیہ ہیں۔ مصادر تکمیلیہ کے ضمن میں مصنف نے یہ مصادر ذکر کیے ہیں: (۱) کتبِ تاریخِ مکہ و مدینہ، (۲) کتبِ ادب و شعر، (۳) کتبِ تراجم (۳) کتبِ بلدان۔

۲۔ مصادر السریة النبویة و تقویمها، (از: فاروق حمادہ، دار الثقافة: الدار البیضاء، طبع اول ۱۴۰۰ھ)۔ یہ کتاب بھی سیرت کی بجائے مصادر سیرت اور گیارہ اہم معاصر کتبِ سیرت کے تعارفی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ تاہم ان کے ہاں درج ذیل آٹھ مصادر اصلیہ ہیں:

(۱) قرآن، (۲) کتبِ احادیث، (۳) کتبِ دلائل (۴) کتبِ شمائل، (۵) کتبِ مغازی و سیر، (۶) کتبِ تاریخ مکہ و مدینہ، (۷) کتبِ تاریخ عام، (۸) کتبِ ادب و لغت۔

اس کے علاوہ مصنف کے نزدیک مذکورہ بالا مصادر کی بنیاد پر متقدمین کے قلم سے لکھی گئی 'کتبِ

سیرت، سیرت نگاری میں 'مصادر فرعیہ' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سلسلہ میں مصنف نے قاضی عیاض (م۵۴۴ھ) کی کتاب الشفا سے لے کر امام محمد بن یوسف صالحی شامی (م۹۴۲ھ) کی سبل الھدیٰ و الرشاد تک آٹھ اہم کتابوں کا تعارف کروایا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کے ایک باب میں گیارہ اہم معاصر کتبِ سیرت کا مختصر تعارفی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

۳- مصادر تلقی السیرة النبویة، (از: محمد انور بن محمد البکری، مدینہ منورہ: مجمع الملک فھد، س، ن)۔

مذکورہ بالا سلسلہ کو زیرِ نظر موضوع کے حوالے سے رسائل و جرائد اور کانفرسوں میں پیش ہونے والے علمی و تحقیقی مقالات کی روشنی میں مزید بڑھایا جا سکتا ہے، تاہم راقم الحروف اس سلسلہ میں سے صرف دو اہل علم کی سیرت نگاری کو یہاں موضوعِ بحث بنائے گا۔ ایک تو علامہ شبلی نعمانی ہیں اور دوسرے ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری ہیں۔ اول الذکر سے اردو دان طبقہ کی نمائندگی ہوتی ہے جبکہ ثانی الذکر سے عربی دان طبقہ کی۔ نیز ان کے انتخاب کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں اپنی اپنی زبانوں میں دیگر معاصر کتابوں پر بہت سے پہلوؤں سے فوقیت بھی رکھتی ہیں، خاص کر یہ پہلو کہ ان دونوں حضرات نے سیرت نگاری کے اصول وضوابط پر وقیع مقدمات لکھے ہیں اور پھر ان اصولوں کی روشنی میں سیرت ترتیب دینے کی کوششیں بھی کی ہیں۔ آئندہ سطور میں ان دونوں اہل علم کے حوالے سے سیرت نگاری کے مصادر اور اصول وضوابط کو زیرِ بحث لایا جا رہا ہے، نیز ان پر ہونے والی تنقیدات کے نمونے اور ان تنقیدات کا علمی تجزیہ بھی پیش کیا جائے گا۔

۱- علامہ شبلی نعمانی اور سیرت نگاری

برصغیر میں سیرت کے سلسلہ میں مستشرقین کی علمی سرگرمیوں نے سرسید کی طرح اور بھی بہت سے علماء کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ سیرت کے مآخذ و مصادر کا جائزہ لے کر از سرِ نو سیرت پر مستند کتابیں تصنیف کریں۔ چنانچہ سرسید کے بعد علامہ شبلی نعمانی کا نام اس حوالے سے سرِفہرست ہے جنھوں نے اس ضرورت کا نہ صرف یہ کہ شدت سے احساس کیا بلکہ عملی اقدام کرتے ہوئے سیرت پر ایک ایسی مستند کتاب تیار کر دی جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ موصوف خود اس ضرورت کا احساس کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''خاص سیرت پر آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا، حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، سیرة نبوی میں لکھتے ہیں:

ولیعلم الطالب ان السیرا
تجمع ما صح و ما قد انکرا

یعنی طالب فن کو جاننا چاہیے کہ سیرة میں ہر قسم کی روایتیں نقل کی جاتی

ہیں، صحیح بھی اور قابل انکار بھی۔ یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایتیں شامل ہوگئیں۔ اس بنا پر ضرور تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں اور پھر نہایت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے، لیکن سیکڑوں کتابوں کا استقصا کے ساتھ دیکھنا اور ان سے معلومات کا اقتباس کرنا، ایک شخص کا کام نہ تھا، اس کے ساتھ ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ یورپ میں آنحضرت ﷺ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واقفیت حاصل کی جائے۔ میں بدقسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہیں جانتا، اس لیے ایک محکمۂ تصنیف کی ضرورت تھی، جس میں قابل عربی دان اور مغربی زبانوں کے جاننے والے شامل ہوں، خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دیے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا، اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی تھی"(۲۴)۔

مستشرقین نے اسلامی مصادر سے کمزور روایات کی بنیاد پر جو 'سیرت نگاری، کی ہے یا دوسرے لفظوں میں پیغمبر اسلامؐ کی سیرت پر جو 'تنقیدات، کی ہیں، علامہ شبلی نے اس کا بھرپور نوٹس لیا ہے اور اس کے پس منظر، وجوہات اور ان کی تنقیدات کی کمزوری کو موضوعِ بحث بنایا ہے، چنانچہ آپ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

یورپین مصنفوں کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے لیکن بعض وجوہ اور بھی ہیں جن کی بنا پر ہم ان کو معذور رکھ سکتے ہیں۔

۱- سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تمام سرمایہ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں، مثلاً مغازی واقدی سیرت، ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق، تاریخ طبری وغیرہ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم اگر آنحضرت (ﷺ) کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہے گا تو عام قیاس یہی رہبری کرے گا کہ اس کو تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات میں سے ایک بھی نہیں جو استناد کے لحاظ سے

۲۴- شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص ۹، ۱۰

بلند رتبہ ہو چنانچہ اس کی بحث اوپر گزر چکی، مصنّفین سیرت سے قطع نظر، سیرت کی روایتیں زیادہ تر جن لوگوں سے مروی ہیں، مثلاً سیف، سرّی، ابن سلمہ، ابن نجیح عموماً ضعیف الروایہ ہیں اس لیے عام اور معمولی واقعات میں ان کی شہادت کافی ہوسکتی ہے لیکن وہ واقعات جن پر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے، ان کے لیے یہ سرمایہ بے کار ہے۔

آنحضرت (ﷺ) کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بہ روایات صحیحہ منقول ہیں، یورپین مصنّفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں، اور ایک آدھ کوئی ہے (مثلاً مارگولیس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر نہیں اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سینکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے کافی ہے۔

۲- دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصولِ تنقیح شہادت اور ہمارے اصولِ تنقیح میں سخت اختلاف ہے، یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا کہ راوی صادق ہے، یا کاذب، اس کے اخلاق وعادات کیا ہیں، حافظہ کیسا ہے؟ اس کے نزدیک یہ تحقیق وتدقیق نہ ممکن ہے، نہ ضروری ہے وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجائے خود، قرائن اور واقعات کے تناسب سے مطابق رکھتا ہے، یا نہیں؟ فرض کرو، ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو قرائن موجودہ اور گردوپیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہے اور کہیں سے نہیں اکھڑتا، تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کر لی جائے گی۔

بخلاف اس کے مسلمان مورخ اور خصوصاً محدثین اس کی پروا نہیں کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے، بلکہ سب سے پہلے وہ دیکھتے ہیں کہ ''اسمائے رجال'' کے دفتر تحقیقات میں اس شخص کا نام ثقہ لوگوں کی فہرست میں درج ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ان کے نزدیک اس کا بیان بالکل ناقابل اعتنا ہے، بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا، تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو، لیکن اس کی روایت قبول کر لی جائے گی۔

اس اختلاف اصول نے یورپین تصنیفات پر بہت بڑا اثرا پیدا کیا ہے مثلاً اہل یورپ واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کے بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہے، جزئیات کی تمام کڑیاں باہم ملتی چلی جاتی ہیں، واقعات میں کہیں خلا نہیں ہوتا، جو چیزیں کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہیں، سب موجود ہوتی ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یہی باتیں اصلی راز کی پردہ دری کرتی ہیں، جو روایتیں سو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانوں پر رہیں، ان میں اس قدر استقصائے جزئیات ممکن نہیں، یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہیں، چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھ کر قیاس و قرائن اور معلومات عامہ کے ذریعہ سے ایک سادہ خاکہ کو نقش ونگار سے کامل کر دیا جائے لیکن یہ جرأت صرف واقدی کر سکتا ہے، محدثین اس سے معذور ہیں۔

تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر موقع پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں، ثقات بھی غلطی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ اس لیے ضرور ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کئے ہیں اور جن کو بعض جگہ وہ بھول جاتے ہیں، ان کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے''(۲۵)۔

علامہ شبلی کے ہاں اصولِ سیرت نگاری

علامہ شبلی نے اپنی ''سیرت النبیؐ'' میں سیرت نگاری کے جو اصول قائم کیے ہیں، ان کی تفصیل انہوں نے خود ان الفاظ میں مہیا کی ہے:

''ہم نے اس کتاب میں جو اصول اختیار کئے ہیں، اب ان کے بتانے کا وقت آ گیا ہے:

۱- سب سے پہلے یہ کہ سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور ہے، ان کو سب پر مقدم رکھا ہے، یہ قطعاً ثابت ہے کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہیں جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن لوگوں نے آیات قرآنی پر اچھی طرح نظر نہیں ڈالی، اس لیے وہ مباحث غیر مفصل رہ گئے۔

۲۵- ایضاً، ص ۹۷-۹۹

۲- قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے، احادیث صحیحہ کے سامنے سیرت کی روایتیں نظر انداز کر دی ہیں۔ جو واقعات بخاری و مسلم میں مذکور ہیں ان کے مقابلہ میں سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اَربابِ سیر کو ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وہ واقعات کو کتب حدیث میں ان موقعوں پر ڈھونڈھتے ہیں، جہاں عنوان اور مضمون کے لحاظ سے اس کو درج ہونا چاہئے، اور جب ان کو ان موقعوں پر کوئی روایت نہیں ملتی تو وہ کم درجہ کی روایتوں کو لے لیتے ہیں لیکن کتب حدیث میں ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعوں پر روایت میں آجاتے ہیں، اس لیے اگر عام استقراء اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات میں خود صحاح ستہ کی روایتیں مل جاتی ہیں، ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اکثر تفصیلی واقعات ہم نے حدیث ہی کی کتابوں سے ڈھونڈ کر مہیا کیے، جو اہل سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے۔

۳- روز مرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتیں کافی خیال کی ہیں، لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے، اور تا اِمکان کدّ و کاوش کی ہے۔ اس خاص ضرورت کے لیے ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ ابن ہشام، ابن سعد، اور طبری کے تمام رواۃ کے نام الگ انتخاب کر لیے، جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، پھر اسماء الرجال کی کتابوں سے ان کی جرح وتعدیل کا نقشہ تیار کیا تاکہ جس سلسلۂ روایت کی تحقیق مقصود ہو بہ آسانی ہو جائے۔

۴- جن فروگزاشتوں کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، جہاں تک ممکن تھا ان کی اصلاح اور تلافی کی ہے[۲۶]۔

یہ تو وہ اصول ہیں جنہیں علامہ شبلی نے خود بیان کیا ہے، تاہم آپ کے مقدمہ سیرت النبی کے مختلف مقامات پر آپ کی طرز تحریر سے مترشح ہونے والے اصولوں کی مزید تعمیم و ترتیب آپ کے شاگرد رشید اور شریک تالیف سید سلیمان ندوی نے کچھ یوں مہیا کی ہے:

۲۶- ایضاً، ص ۱۰۰- ۱۰۱

۱- سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں، پھر احادیثِ صحیحہ میں، پھر عام احادیث میں کرنی چاہیے، اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے۔

۲- کتبِ سیرت محتاج تنقیح ہیں اور ان کی روایات و اسناد کی تحقیق لازم ہے۔

۳- سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایۂ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں۔ اس لیے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

۴- بصورتِ اختلافِ روایاتِ احادیث، رواۃ اربابِ فقہ و ہوش [کذا] کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہو گی۔

۵- سیرت کے واقعات میں علت و معلول کی تلاش نہایت ضروری ہے۔

۶- نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیے۔

۷- روایت میں اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے وفہم کا کس قدر جز شامل ہے۔

۸- اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے؟

۹- جو روایت عام وجوہ عقلی، مشاہدۂ عام، اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہو گی، لائق حجت نہ ہو گی۔

۱۰- اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہیے کہ راوی سے ادائے فہم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے۔

۱۱- روایات آحاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیے[۲۷]۔

۲- علامہ اکرم ضیاء العمری کے ہاں اصولِ سیرت نگاری

آپ نے اپنی عمر کا بڑا حصہ فن سیرت کی تدریس و تالیف پر صرف کیا ہے۔ نیز آپ نے اپنی نگرانی میں سیرت کے مختلف پہلوؤں پر ڈاکٹریٹ کے بہت سے مقالوں کی نگرانی کا فریضہ بھی انجام دیا ہے[۲۸]۔

۲۷- ایضاً، ص۸۳-۸۵

۲۸- الدکتور اکرم ضیاء العمری، صحیح السیرۃ النبویۃ، المدینۃ المنورۃ، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۹۹۳ء، ص۲۳

آپ نے مصادر سیرت اور اصول سیرت نگاری کے حوالے سے جو مباحث اٹھائے ہیں ان کا حاصل درج ذیل ہے:

۱- مصادر سیرت میں قرآن مجید کو اولیت اور فوقیت حاصل ہے لیکن دیگر مصادر سیرت سے قطع نظری اور محض قرآن ہی پر اکتفا کر لینا تالیفِ سیرت کے لیے درست رویہ نہیں کیونکہ قرآن مجید اول تو دستور ہدایت ہے نہ کہ تاریخ کی کتاب۔ پھر قرآنی آیات کی توضیح وتفسیر محض لغت اور عقل کی روشنی میں کرنا بھی غلط فہمیوں کی بنیاد بنتا ہے، اس ضمن میں حدیث اور تفسیر کی کتابوں کی طرف مراجعت بھی ناگزیر ہے[۲۹]۔

۲- قرآن مجید کے بعد دوسرا بڑا اور مستند ذریعہ حدیث کی عمومی کتابیں ہیں۔ مثلاً ''مؤطا امام مالک''، ''مسند احمد''، ''صحاح ستہ''، وغیرہ[۳۰]۔

۳- سیرت نگاری میں تیسرا بڑا ذریعہ حدیث کی وہ مخصوص کتب ہیں جو شمائل و دلائلِ نبوت سے تعرض کرتی ہیں، مثلاً "دلائلِ نبوت" از فریابی، "أعلام النبوة" از، اصبہانی، "دلائلِ نبوت" از بیہقی وغیرہ[۳۱]۔

۴- قرآن مجید اور حدیث کی (عمومی وخصوصی) کتب کے بعد سیرت نگاری کا بڑا اور اہم ذریعہ وہ کتابیں ہیں جو یا تو خاص سیرت کے حوالے سے لکھی گئی ہیں جنہیں ''کتب المغازی'' یا ''کتب السیرة'' بھی کہا جاتا ہے۔ یا جو عمومی تاریخ کے حوالے سے لکھی گئی ہیں مگر ان میں سیرت پر بھی مواد موجود ہے، مثلاً ''تاریخ خلیفہ بن خیاط''، ''تاریخ طبری''، ''الکامل فی التاریخ''، وغیرہ[۳۲]۔

۵- سیرت نگاری چونکہ محدثین کا براہ راست موضوع نہیں تھا اس لیے کتب احادیث میں سیرت سے متعلقہ واقعات نہ تو یکجا ملتے ہیں نہ ہی ان میں کوئی زمانی ترتیب پائی جاتی ہے بلکہ ایک ہی واقعہ کے مختلف اجزاء مختلف مقامات پر ٹکڑوں کی شکل میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بعض اوقات تو ایک واقعہ اپنی پوری شکل میں جمع کرنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں اگر محض کتب احادیث پر اکتفا کر کے سیرت نگاری کی کوشش کی جائے تو اس سے بہت سے التباسات جنم لے سکتے ہیں۔ اس لیے

۲۹- ایضاً، ص۴۷-۴۸، نیز دیکھیے: وہی مصنف، المجتمع المدنی، المجلس العلمی، المدینۃ المنورة، ط اول ۱۹۸۳ء/۱۴۰۳ھ، ص۳۵

۳۰- ایضاً، ص۴۹-۵۰

۳۱- ایضاً، ص ۵۱-۵۳

۳۲- ایضاً، ص۵۳-۶۹ و المجتمع المدنی، ص۴۸-۵۰

کتب احادیث کے ساتھ کتب سیرت کی طرف مراجعت بھی ضروری ہو جاتی ہے(۳۳)۔

۶- قرآن مجید، کتب احادیث اور کتب سیرت کے بعد کچھ مصادر ایسے ہیں جنہیں تکمیلی مصادر کہا جا سکتا ہے۔ اس میں ادب کی کتابیں، تراجم و طبقات کی کتابیں، جزیرہ عرب کے جغرافیہ کے حوالے سے لکھی گئی کتابیں شامل ہیں۔ ان میں بعض ایسی مفید معلومات ملتی ہیں جو سیرت کے بعض وقائع و حوادث کی تکمیل میں مددگار ثابت ہوتی ہیں، تاہم یہ ہمیشہ اول الذکر نوع کے مصادر کے تابع ہیں(۳۴)۔

۷- سیرت سے متعلقہ جو معلومات قرآن مجید یا حدیث کی کتابوں میں صحیح اسناد کے ساتھ موجود ہے اگر کہیں ان کا سیرت یا تاریخ یا ادب وغیرہ کی کتابوں سے تعارض ہو تو وہاں اول تو تطبیق کی کوشش کی جائے گی، ورنہ قرآن اور کتب حدیث میں موجود صحیح روایات کو باقی مصادر (یعنی کتب سیرت وتاریخ وغیرہ) پر ترجیح دی جائے گی(۳۵)۔

۸- کتب سیرت میں صحیح وضعیف ہر طرح کی روایات موجود ہیں۔ اس لیے سیرت نگاری میں ان روایات کے انتخاب کا یہ اصول پیش نظر رکھا جائے گا کہ جو صحیح ترین روایات ہیں پہلے انہیں لیا جائے گا پھر انہیں جو صحت میں ان کے بعد درجہ رکھتی ہوں جیسے حسن روایات اور پھر وہ جو حسن سے قریب تر ہوں۔ اور جہاں ان روایات میں تعارض ہو گا وہاں اسی ترتیب سے اقویٰ کو قوی پر اور قوی کو کمزور پر ترجیح دی جائے گی۔ ان کے بعد ضعیف روایات کی طرف بھی مراجعت کی جائے گی بشرطیکہ وہ ضعیف روایات عقائد و شریعت سے تعلق نہ رکھتی ہوں، ہاں اگر وہ اخلاقیات، عمرانیات، صنعت و حرفت، زراعت اور مجاہدین کی شجاعت اور جذبہ جہاد وغیرہ کی قبیل سے ہوں اور اس سلسلہ میں قوی روایات موجود نہ ہوں تو پھر ان سے استفادہ میں کوئی مانع نہیں(۳۶)۔

ڈاکٹر عمری صاحب نے اپنے منہج کو محدثین کے منہج سے مربوط کیا ہے اور کئی جگہ محدثین کے حوالے دے کر اپنی بات کو مستند بنایا ہے اور یہ زاویہ فکر کہ محدثین کے ہاں ضعیف روایات کی مطلقاً کوئی اہمیت نہیں تھی، یا یہ کہ تاریخ و سیرت کی روایات کو بھی لامحالہ محدثین کے انہیں ضوابط پر پرکھا جائے جو انہوں نے تشریعی احادیث کی جانچ پڑتال کے لیے قائم کیے تھے، کی خود محدثین کے اقوال و تصریحات کی روشنی میں

۳۳- صحیح السیرۃ النبویۃ، ص ۵۰ و المجتمع المدنی، ص ۲۸-۳۰

۳۴- ایضاً، ص ۱۷

۳۵- ایضاً، ص ۲۵، ۲۶، ۳۳ و مرجع سابق، ص ۵۰

۳۶- ایضاً، ص ۶۹، و المجتمع المدنی، ص ۲۵، ۲۶۔ الحدیثۃ، ۱۹۷۶ء، ص ۱۰-۱۱، ۳۰۸

تردید کی ہے[۳۷] اور انہوں نے بارہا اسی بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی تاریخ کی تدوین نو محدثین کے قواعد ہی کی روشنی میں کی جانی چاہیے[۳۸]۔

علامہ شبلی اور علامہ عمری کے اصولِ سیرت نگاری کا مقارنہ

علامہ شبلی اور علامہ عمری کے ہاں اصول سیرت نگاری میں خاصی حد تک اتفاق رائے پایا جاتا ہے، تاہم ان اصولوں کی تنقیح اور ان کے اطلاق کے وقت جزئیاتی نوعیت کے بعض اختلافات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

مشترکہ اصول :

علامہ شبلی اور علامہ عمری کے ہاں سیرت نگاری کے سلسلہ میں جن اصولوں میں قریب قریب اتفاق رائے پایا جاتا ہے انہیں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱- سیرت کا بنیادی مصدر قرآن مجید ہے، سیرت نگاری کے لیے سب سے پہلے اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲- قرآن مجید کے بعد دوسرا بڑا اور مستند ذریعہ حدیث کی عمومی وخصوصی کتابیں ہیں۔

۳- قرآن مجید اور حدیث کی (عمومی وخصوصی) کتب کے بعد سیرت نگاری کا بڑا اور اہم ذریعہ سیرت اور تاریخ کی وہ کتابیں ہیں جن میں سند اور رواۃ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۴- حدیث اور سیرت و تاریخ کی کتابیں محتاجِ تنقیح ہیں اور ان کی روایات و اسناد کی تحقیق لازم ہے۔

۵- سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایۂ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں۔ اس لیے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

۶- سیرت نگاری میں روایات کا انتخاب اس طرح کیا جائے گا کہ جو صحیح ترین روایات ہیں پہلے انہیں لیا جائے گا پھر انہیں جو صحت میں ان کے بعد ہوں جیسے حسن روایات اور پھر وہ جو حسن سے قریب تر ہوں۔

۷- سیرت نگاری میں ضعیف روایات کی طرف بھی مراجعت کی جائے گی بشرطیکہ وہ ضعیف روایات عقائد و شریعت سے تعلق نہ رکھتی ہوں، اور نہ ہی ان کا تعلق کسی اہم واقعہ کے بیان سے ہو۔ ہاں اگر وہ اخلاقیات، عمرانیات، صنعت و حرفت، زراعت اور مجاہدین کی شجاعت اور جذبہ جہاد وغیرہ یا روز مرہ اور عام واقعات کی قبیل سے ہوں اور اس سلسلہ میں قوی روایات موجود نہ ہوں تو پھر ان سے استفادہ

۳۷- دیکھیے: ایضاً، ص۹۱، ۲۱، ۴۰، ۶۹ و المجتمع المدنی، ص۳۰

۳۸- ایضاً، ص۴۵ تحت العنوان: ضرورة المرونة فی تطبیق قواعد المحدثین فی نطاق التاریخ الاسلامی العام

میں کوئی مانع نہیں۔

اصولوں کی تنقیح کا مسئلہ

جہاں تک علامہ شبلی اور علامہ عمری کے ہاں سیرت نگاری کے اصول وضوابط کی تنقیح کا مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں واقدی کی مرویات سے استفادہ کی نوعیت کو بطور مثال ذکر کیا جا سکتا ہے۔ علامہ شبلی نے واقدی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے، محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے اور حقیقت میں واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے، ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگوں اور دلچسپ تفصیلیں وہ بیان کرتا ہے، آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلمبند نہیں کر سکتا(۳۹)۔

لیکن اس کے باوجود علامہ شبلی واقدی کو ''بالکل'' نظر انداز نہیں کر پائے۔ خود آپ کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق بھی ایسا ممکن نہیں تھا کہ واقدی کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا۔ کیونکہ جب آں موصوف سیرت نگاری کے اصول قائم کرتے وقت یہ کہتے ہیں کہ ''روز مرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتیں کافی خیال کی ہیں، لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے'' (یعنی دوسرے لفظوں میں اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ روز مرہ اور عام واقعات میں کمزور روایتوں کی تنقید وتحقیق کی خاص ضرورت نہیں اور ایسی روایتوں سے سیرت نگاری میں استفادہ بھی کیا جا سکتا ہے) تو اس سے خود واقدی کے بارے میں بھی یہ رائے قائم ہو جاتی ہے کہ روز مرہ یا کم اہم واقعات میں واقدی کی کمزور روایتیں بھی کفایت کرتی ہیں۔ اور عملی طور پر علامہ شبلی کے ہاں قدم قدم پر واقدی کی روایات سے استفادہ کی مثالیں موجود ہیں، خواہ وہ واقدی کے نام کی صراحت کیے بغیر ہی لی گئی ہوں یا ابن سعد کے حوالے سے انہیں جگہ دی گئی ہو۔ کیونکہ ابن سعد نے اپنی ''کتاب الطبقات الکبیر'' میں ایک بڑا حصہ واقدی ہی سے روایت کیا ہے(۴۰)۔

۳۹- شبلی نعمانی، ص ۴۸

۴۰- خود مولانا شبلی نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ''ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں''۔ **سیرت النبیؐ**، ج۱، ص ۴۹۔ اس حوالے سے مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: صدیقی، ڈاکٹر ظفر احمد، مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار، بیت الحکمت، لاہور، ط ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۲، ۱۱۳

ایک دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو شاید یہ غلط فہمی پیدا ہو کہ مولانا شبلی سیرت نگاری کے اصول قائم کرنے اور ان کا اپنی کتاب میں اطلاق کرتے ہوئے بعض جگہوں پر داخلی تضاد کا شکار ہوئے ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کی مولانا شبلی کے بارے میں علی الاطلاق یہی رائے ہے اور انہوں نے اپنی کتاب ''مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار'' میں جا بجا اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ لیکن راقم الحروف اس رائے کو علی الاطلاق شبلی کی طرف منسوب کرنے کو درست خیال نہیں کرتا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ خیال کرتا ہے کہ علامہ شبلی کے ہاں بعض اصول سیرت نگاری تنقیحِ مزید کے محتاج رہ گئے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مولانا نے سیرت کا مقدمہ پہلے لکھا اور واقدی کے بارے میں ایک رائے قائم کر لی۔ لیکن جب کتاب کی تدوین میں واقعات سیرت کی مختلف پہلوؤں سے تکمیل کا مسئلہ سامنے آیا اور ایسی صورت میں کمزور روایتوں کا سہارا لینے کی ضرورت محسوس ہوئی جو کہ خود موصوف کے اختیار کردہ اصولوں کی روشنی میں ایک درست اقدام تھا، تو انہوں نے واقدی کی روایات کو بھی لیا اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی کہ ایسے مواقع پر واقدی کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے، خواہ وہ بھی کمزور اور غیر مستند ہی ہو، جزئی تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکی ہوں گی[۴۱]۔

لیکن علامہ عمری کے ہاں اصول سیرت زیادہ منقح شکل میں موجود ہیں، واقدی ہی کو لیجیے۔ موصوف نے واقدی کے بارے میں محدثین کی مختلف آراء نقل کی ہیں اور اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

> **ولا تصلح مروياته للاحتجاج بها فيما يتعلق بالعقيدة و الشريعة، ولكنها تنفع في وصف تفاصيل الاحداث مما لا يتصل بالعقيدة والشريعة، خاصة اذا لم يخالف الاخبار الصحيحة**[۴۲]
>
> واقدی کی روایات عقائد و شرعی مسائل سے متعلق تو استدلال کے قابل نہیں، البتہ ان واقعات کی تفصیلات بیان کرنے میں جن کا تعلق عقیدہ و شریعت سے نہیں، مفید ہیں، خصوصاً جبکہ وہ صحیح روایات کے مخالف نہ ہوں۔

اسی طرح سیرت نگاری میں کمزور روایات سے استفادہ کے بارے میں بھی آپ صاف طور پر یہ رائے

۴۱- خود متقدم سیرت نگار مثلاً حافظ ذہبی، ابن حجر، ابن کثیر، ابن القیم وغیرہ بھی ایسے مواقع پر واقدی کی طرف رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، دیکھیے: العمری، السيرة النبوية الصحيحة، ج۱، ص ۶۱، تا ۶۳

۴۲- العمری، السيرة النبوية الصحيحة، ج۱، ص ۶۱

رکھتے ہیں کہ

> کتب سیرت میں صحیح وضعیف ہر طرح کی روایات موجود ہیں۔ اس لیے سیرت نگاری میں ان روایات کے انتخاب کا یہ اصول پیش نظر رکھا جائے گا کہ جو صحیح ترین روایات ہیں پہلے انہیں لیا جائے گا پھر انہیں جو صحت میں ان کے بعد درجہ رکھتی ہوں جیسے حسن روایات اور پھر وہ جو حسن سے قریب تر ہوں اور جہاں ان روایات میں تعارض ہو گا وہاں اسی ترتیب سے اقویٰ کو قوی پر اور قوی کو کمزور پر ترجیح دی جائے گی۔ ان کے بعد ضعیف روایات کی طرف بھی مراجعت کی جائے گی بشرطیکہ وہ ضعیف روایات عقائد و شریعت سے تعلق نہ رکھتی ہوں، ہاں اگر وہ اخلاقیات، عمرانیات، صنعت و حرفت، زراعت اور مجاہدین کی شجاعت اور جذبہ جہاد وغیرہ کی قبیل سے ہوں اور اس سلسلہ میں قوی روایات موجود نہ ہوں تو پھر ان سے استفادہ میں کوئی مانع نہیں (۴۳)۔

علامہ شبلی اور علامہ عمری پر کی گئی تنقیدات

۱- علامہ شبلی پر کی گئی تنقیدات

علامہ شبلی پر سیرت نگاری کے سلسلہ میں کئی ایک اہل علم نے نقد بھی کیے ہیں۔ مجموعی طور پر ان تنقیدات کا تعلق موصوف کے اختیار کردہ سیرت نگاری کے اصولوں پر بحیثیت اصول نقد کی قبیل سے نہیں بلکہ ان اصولوں کی پاسداری یعنی ان کی تطبیقات اور ان کے عملی اطلاقات کی قبیل سے ہے۔ آپ پر ہونے والی مختلف تنقیدات کے حوالے سے مولانا نعمت اللہ اعظمی (استاذ حدیث دار العلوم دیوبند) رقم طراز ہیں:

> ماضی میں مولانا محمد اسحٰق صاحب، علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا عبدالرؤف صاحب دانا پوری، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور کتنے ہی بالغ نظر علماء نے مختلف مقامات پر جستہ جستہ تنقیدیں کی ہیں اور ان کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ان سب کے

۴۳- ایضاً، (مأخوذ)، ص۶۹، نیز: المجتمع المدنی، ص۲۵، ۲۶

> خلاصہ کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مصنف نے کتاب کے استناد کے لیے جن شرائط کے اہتمام کا دعویٰ کیا تھا، وہ اس کو پورا نہ کر سکے(۴۴)۔

یعنی مولانا شبلی نے سیرت نگاری کے لیے جن شرائط یا دوسرے لفظوں میں جن اصول وضوابط کو طے کیا تھا، ان کو عملاً اپنی ''سیرت النبیؐ'' میں ہر جگہ برت نہیں پائے۔ گویا آپ پر نقد کرنے والے اہل علم کو بالعموم آپ کے اختیار کردہ اصولوں سے اختلاف نہیں بلکہ اختلاف اس بات سے ہے کہ مولانا نے ہر جگہ اپنے ان ضوابط و شرائط کی پاسداری کیوں نہیں کی۔ ظفر احمد صدیقی صاحب کی کتاب (مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار) ان اطلاقی پہلوؤں کی کافی حد تک مثالیں مہیا کرتی ہے مگر وہ شبلی کے اصولوں سے بحیثیت اصول کوئی خاص تعرض نہیں کر سکے۔ خود سید سلیمان ندویؒ نے بھی اس کتاب کے بعض مباحث میں اپنے شیخ شبلی سے اصولوں کے اطلاقات میں اختلاف کیا ہے اور ''سیرت النبیؐ'' میں جگہ جگہ اس کی مثالیں موجود ہیں(۴۵)۔

جہاں تک مولانا شبلی کے ہاں اپنے شرائط وضوابط کی پاسداری نہ کرنے کا مسئلہ ہے تو اس کی بعض وجوہات مولانا نعمت اللہ اعظمی نے یوں بیان کی ہیں:

> شرائط کو پورا نہ کر سکنے کی اصل وجہ تو کام کرنے والا ہی بتا سکتا ہے، تاہم مصنف کی جانب سے جو معذرت پیش کی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس دور میں کتابیں اتنی عام نہیں تھیں، یا بعض کتابیں مہیا بھی ہوئیں تو وہ قلمی تھیں، جن سے استفادہ دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ مشہور واقعات کے نقل کرنے میں زیادہ تجسس وتحقیق کے بجائے، سہل الحصول اور متداول کتابوں کے حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہو۔ امام مسلمؒ جیسے بلند پایہ محدث کے بارے میں اسی طرح کی بات منقول ہے کہ انھوں نے راویوں کے بارے میں جن سخت شرائط کی پاسداری کا ذکر کیا، ہر جگہ اس کو پورا نہ کر سکے۔ امام مسلم سے اس کی وجہ معلوم کی گئی تو انہوں نے بیان کیا کہ بعض مشہور روایات کی نقل میں، علو سند کی وجہ سے انھوں نے ایسے راویوں کو لے لیا جو کچھ محدثین کے نزدیک قابل اعتراض تھے، کیوں کہ یہ روایات ثقہ راویوں سے اپنی جگہ پر موجود ہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسی

۴۴- ظفر احمد صدیقی، (ابتدائیہ از: مولانا نعمت اللہ اعظمی)، ص۱۴

۴۵- مثلاً دیکھیے، **ایمان ابی طالب کا مسئلہ**، حاشیہ، سیرت النبی، ج۱، ص۲۴۸۔ غزوہ مریسیع رہی مصطلق کی بحث، حاشیہ، ص۴۱۵۔ وغیرہ

طرح کا کوئی عذر علامہ شبلی کے پیش نظر رہا ہو۔
دوسری معذرت مصنف کی جانب سے یہ پیش کی جا سکتی ہے کہ ان کے دور میں پورا عالم اسلام مستشرقین کے حملوں کی زد میں تھا۔ مستشرقین کے حملوں سے پیدا ہونے والے تأثر کا ازالہ بھی مصنف کے پیش نظر ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ علماء نے اس دور میں مستشرقین کے مقابلے پر صرف دفاعی کام کیا ہے۔ اقدام کی حیثیت کا کوئی علمی کام ہمارے علم میں نہیں، اور دفاعی کام کرنے والے بھی دو گروہ نظر آتے ہیں، ایک گروہ تو ان مستشرقین کے حملوں سے اتنا مرعوب تھا کہ اس نے مسلمات شرعیہ سے انکار، یا ان میں رکیک تاویل تک سے اجتناب نہیں کیا، اس گروہ کی مشہور شخصیت سرسید احمد خاں تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو اس درجہ مرعوب تو نہیں تھا کہ مسلمات شرعیہ میں تاویل کے راستے اختیار کرے، لیکن وہ ایسی چیزوں کے نقل کرنے کا اہتمام کرتا تھا جس پر مستشرقین کا اعتراض کم سے کم ہو، شبلی نعمانی مرحوم اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ خود ان کا انداز فکر، عقل کو نقل پر ترجیح دینے کا ہے، جس کی وجہ سے انھیں معتزلہ کے انداز فکر کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ خلاصہ کے طور پر یوں کہنا چاہیے کہ خود ان کا انداز فکر یہ ہے کہ عقل کو نقل پر ترجیح دی جائے۔ پھر یہ مجبوری کہ ایسی نقل چاہیے جس پر مستشرقین کو مطمئن کیا جا سکے۔ ان مجبوریوں نے کتنی ہی جگہ مصنف کو پابہ زنجیر کر دیا اور وہ درجۂ استناد میں اپنے دعوے سے نیچے اترنے پر مجبور ہو گئے[۴۶]۔

اس کی ایک تیسری اور بڑی وجہ فہم اور تعبیر کے اختلاف سے بھی موسوم کی جا سکتی ہے جو سراسر اجتہادی قبیل سے ہے۔ مثلاً مولانا کے ہاں سیرت کے واقعات میں کچھ اہم اور کچھ کم اہم کی قبیل سے ہیں۔ اہم واقعات کے لیے تو آپ صرف اور صرف مستند روایات ہی کی بات کرتے ہیں جبکہ کم اہم واقعات میں آپ روایات کی تنقید و تحقیق میں زیادہ چھان بین کے قائل نہیں۔ لیکن کسی واقعہ کو ہو سکتا ہے کہ آپ نے کم اہم سمجھا ہو اور اس کی تفصیل آپ نے کمزور مصادر سے بہم پہنچائی ہو مگر کسی دوسرے صاحب کے نزدیک کسی وجہ

۴۶- صدیقی، ظفر احمد، ص۱۴، ۱۵

سے اسی واقعہ کی اہمیت بہت زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور اس کے لیے وہ کمزور روایات کی تفصیل کو درخور اعتنا تسلیم نہیں کرے گا اور لامحالہ ایسی صورت میں مولانا سے اختلاف رائے ہو گا اور اسے ایسے اجتہادی اختلاف کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے جس کی گنجائش ایسے امور میں بہرحال موجود رہتی ہے۔ اور سیرت نگاری میں ایسے اختلافات اصول وضوابط پر اتفاق رائے کے باوجود پیدا ہوتے رہتے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔

۲- علامہ عمری پر کی گئی تنقیدات

علامہ شبلی کی نسبت علامہ عمری کے کام پر تنقیدات کم سامنے آئی ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ان کا کام سامنے آئے کوئی بہت عرصہ نہیں ہوا اور دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ علامہ عمری صاحب کے ہاں اصول سیرت نگاری کی کافی حد تک تہذیب وتنقیح موجود ہے اور پھر ان کی تطبیق و اطلاق میں بھی موصوف نے قدرے احتیاط سے کام لیا ہے۔ تاہم اس کے باوجود علامہ عمری پر ہونے والی ایک تنقید جو ڈاکٹر عبدالقادر بن حبیب اللہ سندھی کے قلم سے سامنے آئی ہے، کا جائزہ بطور مثال یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

عبدالقادر سندھی صاحب کا پہلا اعتراض اس کتاب کے عنوان پر ہے۔ ان کے بقول اس کتاب کے لیے سیرت نبویہ کے ساتھ ''صحیحہ'' کا اضافہ درست نہیں اور اس کی وجہ انہوں نے یہ ذکر کی ہے کہ سیرت سنت ہی کا ایک جز ہے اور محدثین نے سنت و سیرت دونوں کی تدوین کے وقت صحت و استناد کا اہتمام کر دیا تھا۔ لیکن عمری صاحب کے عنوانِ کتاب سے عامۃ الناس کو یہ غلط فہمی ہونے کا اندیشہ ہے کہ شاید آغاز اسلام سے آج تک فن سیرت کی تدوین میں صحت و استناد کا اہتمام بالکل نہیں کیا گیا[۴۷]۔

مولانا سندھی صاحب کا یہ اعتراض زیادہ وزنی معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ محدثین نے اگرچہ سیرت کے مباحث کو بھی اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے مگر یہ کہنا کہ محدثین نے پوری سیرت کو کسی کتاب یا باب میں یکجا کر دیا ہے اور اب اس کام کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بداہتاً غلط ہے۔ جبکہ عمری صاحب یا انہی کے نقش قدم پر چلنے والے دیگر اہل علم کا اس سلسلہ میں یہی موقف ہے کہ محدثین اور سیرت نگاروں نے سیرت کے حوالے جو مواد مدون کیا ہے اس سب سے استفادہ کر کے ایسی کتاب مرتب کی جائے جو صحت و استناد کے لحاظ سے بھی محدثین کے قواعد پر پورا اترے اور اس میں زمانی ترتیب بھی قائم کی جائے جو کہ یقیناً محدثین کے ہاں نہیں پائی جاتی اس لیے کہ ان کا کتب احادیث کی تدوین کے وقت یہ مطمح نظر نہیں تھا۔

مولانا سندھی صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ عمری صاحب نے روایات کو لفظ بہ لفظ روایت کرنے کی بجائے روایات کو بالمعنی ذکر کیا ہے اور (سندھی صاحب کے بقول) یہ طرز تحریر محدثین سے مطابقت نہیں

۴۷- عبدالقادر سندھی، **استدراکات و ملاحظات حول کثیر مما وقع فیہ الدکتور أکرم العمری**، ط س ن د، ص ۷، ۸، ۱۰، ۴۴

رکھتا۔ آپ موصوف لکھتے ہیں:

ان الأخ الكريم [العمری] قد أورد نصوص السنة بأسلوبه العصری الذی لا يتفق مع أصول المحدثين (۴۸)

مولانا سندھی صاحب کے اس اعتراض میں بھی کوئی معنویت نہیں ہے، اس لیے کہ روایت بالمعنی کا مسئلہ خود محدثین میں بھی مختلف فیہ رہا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ خود سندھی صاحب نے اس اختلاف کی موجودگی کا اعتراف بھی کیا ہے(۴۹)۔

مولانا سندھی صاحب کے دیگر اعتراضات بھی کچھ اسی نوعیت کے ہیں، مثلاً ایک اعتراض یہ ہے کہ عمری صاحب نے روایات ذکر کرتے ہوئے ان کی اسناد کو حذف کر دیا ہے(۵۰)۔

حالانکہ یہ بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ البتہ سندھی صاحب کا ایک اعتراض جو بہت سے صفحات پر محیط ہے، قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ عمری صاحب نے سیرت کے حوادث و واقعات کے ضمن میں صحیح روایتوں میں موجود بہت سے واقعات کو اپنی کتاب میں بیان نہیں کیا، مثلاً:

۱- نبی کریمﷺ کی پیدائش کے دن اور تاریخ کا مسئلہ۔

۲- آپؐ کے والدین کے ایمان کا مسئلہ۔

۳- بچپن میں آپﷺ کے بکریاں چرانے کا مسئلہ۔

۴- تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کے وقت ہونے والے نزاع کے خاتمہ کا مسئلہ۔

۵- صغر سنی میں تعمیر کعبہ کے وقت اپنے ازار بند کو اتار کر کندھے پر رکھنے کا مسئلہ۔

۶- زید بن عمرو بن نفیل کا قصہ جو دور جاہلیت میں دین حنیفی کے پیروکار تھے۔

۷- نبوت سے پہلے آنحضرتﷺ کی صفات و اخلاقیات کی قبیل کی بعض روایات(۵۱)۔

مذکورہ بالا واقعاتِ سیرت سندھی صاحب کے بقول جب صحیح روایتوں میں مذکور ہیں تو علامہ عمری صاحب نے انہیں کیوں نہیں ذکر کیا، یہ یقیناً ایک اہم اعتراض ہے، گوکہ سندھی صاحب نے اپنے تئیں اس کی کچھ وجوہات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے لیکن ایسے واقعات کے بارے میں بہتر رویہ ہے کہ خود مصنف

۴۸- ایضاً، ص ۴۵

۴۹- ایضاً

۵۰- ایضاً، ص ۴۷

۵۱- ایضاً، ص ۴۷ تا ۶۷

(جو کہ حیات ہیں) کی طرف مراجعت کر لی جائے کہ آیا یہ واقعات ان کی نظر سے اوجھل رہ گئے ہیں یا وہ ان واقعات کی صحت کو معتبر نہیں سمجھتے یا اختصار یا کسی اور خاص ضرورت کے تحت انہوں نے انہیں ذکر نہیں کیا۔ تاہم اس کی کوئی بھی وجہ ہو، اس سے عمری صاحب کے اختیار کردہ اصول سیرت نگاری پر کوئی جوہری قدح لازم نہیں آتی۔

مولانا سندھی صاحب نے اس کے علاوہ بھی کچھ اعتراضات اٹھائے ہیں، مگر وہ بھی اصول سیرت نگاری کی قبیل سے نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق ضمنی اور اطلاقی نوعیت سے ہے مثلاً یا تو ان کا تعلق کسی روایت کے الفاظ یا اس کے مصدر کے نقل میں تسامح سے ہے یا کسی روایت کی سند پر صحت و ضعف کا حکم لگانے سے ہے[۵۲]۔

حاصلِ بحث

۱- سیرت کے مآخذ و مصادر میں صحیح و مستند روایات کے پہلو بہ پہلو کمزور روایات بھی موجود ہیں۔

۲- انہی کمزور روایات کو بنیاد بنا کر انیسویں صدی عیسوی میں مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ضخیم لٹریچر تیار کیا۔

۳- مستشرقین کے لٹریچر سے پیدا ہونے والے شبہات و اعتراضات نے سیرت نگاری میں اس رجحان کو پروان چڑھایا کہ سیرت پر جو کچھ لکھا جائے وہ انتہائی مستند ہونا چاہیے تاکہ سیرت کے مآخذ میں موجود غیر مستند مواد کی بنیاد پر جو اعتراضات قائم ہوتے ہیں ان کی بنیاد خود ہی ختم ہو جائے۔

۴- اس احساس کے پیش نظر بعض اہل علم نے صرف قرآن کی روشنی میں، بعض نے قرآن کے ساتھ صرف صحیح احادیث کی روشنی میں اور بعض نے تمام بنیادی اور تکمیلی مصادر سیرت کی روشنی میں اخذ و انتخاب کے بعد مستند سیرت مرتب کرنے کی کوشش کی۔

۵- محقق اہل علم کے نزدیک سیرت کے دیگر مآخذ سے صرفِ نظر کر کے صرف قرآن ہی کی روشنی میں سیرت پر ایک جامع اور مکمل کتاب کی تصنیف ناممکن ہے۔

۵۲- دیکھیے: ایضاً، ص ۷۸، ۹۵، ۹۷، ۱۰۰۔ مولانا سندھی نے اپنی کتاب کے صفحہ ستانوے (۹۷) پر عمری صاحب کے ایک تسامح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا ہے کہ مولانا عمری کی یہ غلطی میری تقلید کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ ان سے پہلے یہی غلطی میں نے اپنے ایم فل کے مقالہ ”الذهب المسبوك فی تحقيق روايات غزوة تبوك“ میں کی ہے اور عمری صاحب نے ہو بہو اسی کی نقل کی ہے اور نتیجۃً میری غلطی کے خود بھی مرتکب ہوئے ہیں۔ سندھی صاحب نے اپنے اس دعویٰ کے حق میں بعض دلائل بھی ذکر کیے ہیں، واللہ اعلم بالصواب

۶- قرآن کے ساتھ صحیح احادیث کے ذخیرہ سے مدد لے کر سیرت مرتب تو کی جا سکتی ہے مگر اس صورت میں بھی بعض واقعات میں خلا اور تشنگی رہ جانا یقینی امر ہے۔

۷- سیرت نگاری میں سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ قرآن و حدیث کے ساتھ دیگر مصادر سیرت (یعنی کتب سیرت، کتب تاریخ، کتب تراجم و طبقات، کتب شعر و ادب وغیرہ) کو بھی مدنظر رکھا جائے اور ان سب کی روشنی میں قبول روایت کے مسلمہ اصولوں کی بنیاد پر اخذ و انتخاب کیا جائے۔

۸- قرآن مجید کے علاوہ دیگر مصادر سیرت میں صحیح وضعیف ہر طرح کی روایات موجود ہیں۔ اس لیے سیرت نگاری میں ان روایات کے انتخاب کا یہ اصول پیش نظر رکھا جائے گا کہ جو صحیح ترین روایات ہیں، پہلے انہیں لیا جائے گا پھر انہیں جو صحت میں ان کے بعد درجہ رکھتی ہوں جیسے حسن روایات، اور پھر وہ جو حسن سے قریب تر ہوں۔ اور جہاں ان روایات میں تعارض ہو گا وہاں اسی ترتیب سے اقویٰ کو قوی پر اور قوی کو کمزور پر ترجیح دی جائے گی۔

۹- سیرت نگاری میں ضعیف روایات کی طرف بھی مراجعت کی جائے گی بشرطیکہ وہ ضعیف روایات عقائد و شریعت سے تعلق نہ رکھتی ہوں، اور نہ ہی ان کا تعلق کسی اہم واقعہ کے بیان سے ہو۔ ہاں اگر وہ اخلاقیات، عمرانیات، صنعت و حرفت، زراعت اور مجاہدین کی شجاعت اور جذبہ جہاد وغیرہ یا روز مرہ اور عام واقعات کی قبیل سے ہوں اور اس سلسلہ میں قوی روایات موجود نہ ہوں تو پھر ان سے استفادہ میں کوئی مانع نہیں۔

۱۰- اصول سیرت نگاری میں علامہ شبلی اور علامہ عمری کا کام دیگر معاصر سیرت نگاروں پر کئی پہلوؤں سے فوقیت رکھتا ہے اور ان دونوں حضرات کے اصول سیرت نگاری کافی حد تک مشترک اور مبنی بر اعتدال ہیں تاہم اصول وضوابط کے اطلاق کے وقت ان حضرات کے ہاں تسامح بھی پایا جاتا ہے اور ان حضرات پر ہونے والی تنقیدات بالعموم ان کے اصول وضوابط کے انتخاب کے حوالے سے نہیں بلکہ وہ ان اصول وضوابط کے اطلاقی پہلوؤں کی قبیل سے ہیں۔